www.urducouncil.nic.in

اکتوبر 2021 ، قیمت :- ₹10

ماھنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

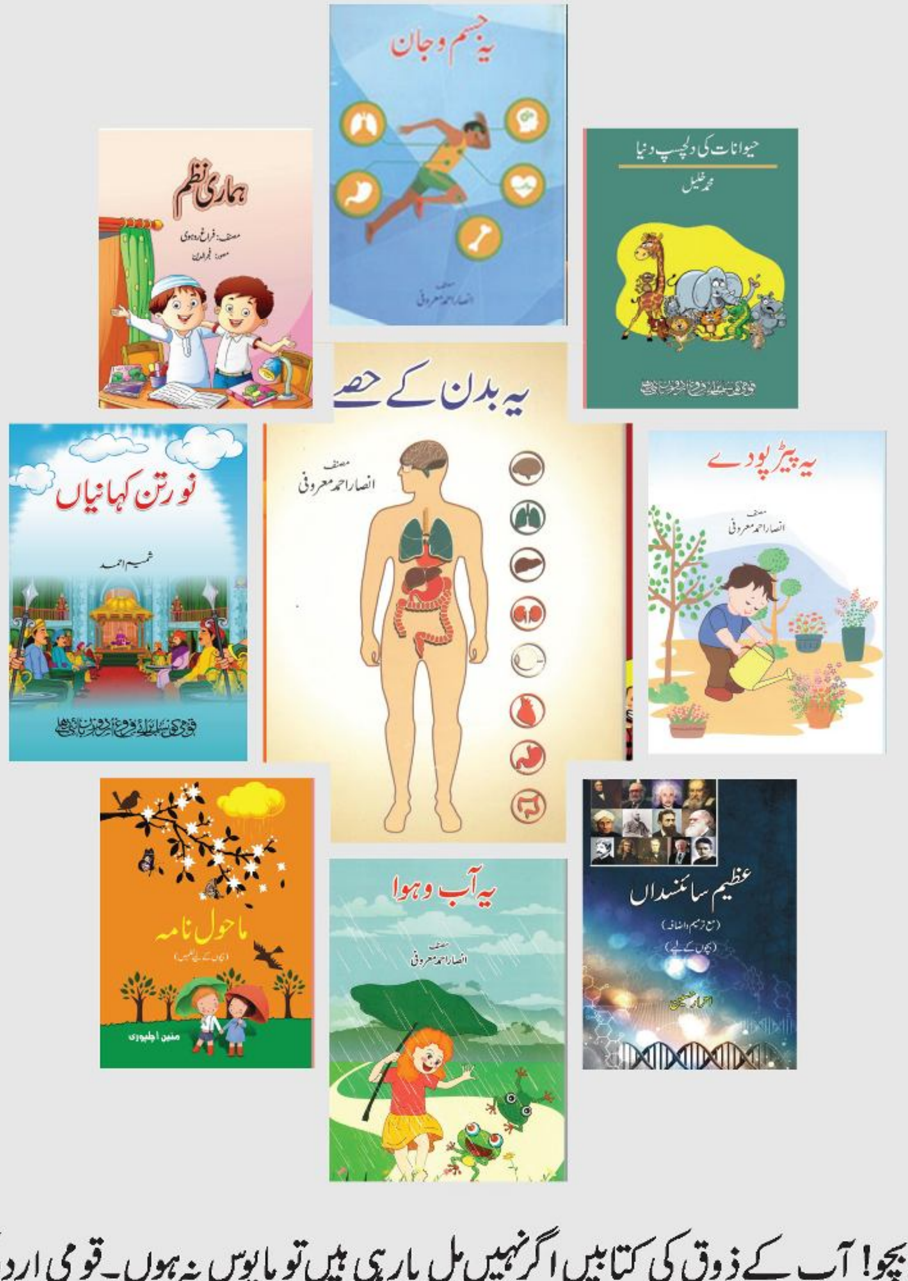
یہ جسم و جان
انصار احمد معروفی
ہماری نظم
حیوانات کی دلچسپ دنیا
محمد خلیل
یہ بدن کے حصے
انصار احمد معروفی
نورتن کہانیاں
شمیم احمد
یہ پیڑ پودے
انصار احمد معروفی
ماحول نامہ
یہ آب و ہوا
انصار احمد معروفی
عظیم سائنسداں

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پا رہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

بچوں کی دنیا

جلد:9 شمارہ:10 اکتوبر 2021

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم : شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز:110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد -500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

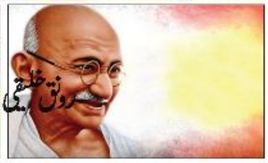

اداریہ — مدیر — 04
ڈاک خانہ — قارئین — 05

مضامین

ڈاک کا نظام اور پن کوڈ کی اہمیت — ایم اے کنول جعفری — 07
اکتوبر: اہم دنوں کے آئینے میں — عشرت جہاں — 11

نظمیں

مشورے — مہدی پرتاپ گڑھی — 15
بیر بہوٹی — بسم اللہ عدیم برہانپوری — 16
جھولا — رونق خلیقی — 16
کتاب بولتی ہے — تبسم سحر — 17
اگر سڑک پر چلتی ریل — فہیم احمد — 18
اڑان — مِردُلا گھئی — 19

کہانیاں

بہادر بچے — نور الحسنین — 20
ویران قلعے کے کبوتر — محمد طارق — 24
لومڑی کی آخری کہانی — افتخار انیس حمیدی — 27
وقت کی چوری — سید اسرار الحق سبیلی — 32
کالے چشمے کا راز — زیب النسا — 35
بنجارا — محمد علقمہ سلفی — 37
ننھے اور دادی جان — روشن حیات — 40
حلال کی کمائی — نسیم سحر — 42

ترجمہ

ہیوا — انصاری حفیظ الرحمن — 44

کھیل کھلاڑی

اٹلی کی ٹیم 53 سال بعد بنی یوروپین کپ کی فاتح — سید پرویز قیصر — 48

سائنس نامہ

جادوئی مربع — کرامت علی کرامت — 52

بچوں کا کتب خانہ

ہم تم دوست ہوئے — اسلم جمشید پوری — 54
بچوں کا ماہنامہ : پھول — حقانی القاسمی — 57

زبان شناسی

محاورے — 59

جنرل نالج

معلومات عامہ — 60

کہکشاں

چمن چمن کے پھول — 61

ننھے فنکار

پینٹنگ — 62

پیارے بچو! آپ نے سائنس دانوں، ڈاکٹروں، انجینئروں، قلمکاروں، موسیقاروں اور دیگر شعبۂ حیات کی ان ہستیوں کے بارے میں ضرور سنا ہوگا جنھوں نے سماج کو بدلنے میں اہم رول ادا کیا اور کامرانی کی تاریخ بھی مرتب کی۔ ان ہستیوں نے آپ ہی جیسا بچپن گزارا ہوگا۔ وہی شوخیاں، شرارتیں رہی ہوں گی، وہی کھیل کود کا ماحول رہا ہوگا۔ ان میں سے بہت سی ہستیوں کا تعلق معمولی گھرانے سے بھی رہا ہے مگر ان اہم شخصیات نے اپنی جد و جہد سے ایسے کارنامے انجام دیے کہ صرف اپنے معاشرے کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک مثال بن گئے۔

بچو! آپ نے گوتم بدھ، سرسید احمد خان، گاندھی جی، لال بہادر شاستری، مارٹن لوتھر، ابراہم لنکن، نیلسن منڈیلا، مدر ٹریسا، ساوتری بائی پھولے وغیرہ کا نام سنا ہوگا۔ یہ وہ بڑی ہستیاں تھیں جنھوں نے پورے معاشرے میں انقلاب بپا کیا۔ ان لوگوں کے بچپن پر ذرا نگاہ ڈالیے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے کتنی اذیتیں برداشت کیں، کتنی تکلیفوں سے گزرے لیکن اپنے مقصد، مشن اور مستقبل کو پیش نظر رکھا، اس لیے یہ کامیاب رہے۔ ان میں سے بہتوں نے بہت سے رسم و رواج کو بدلا، رنگ و نسل کی تفریق کو ختم کیا، ان بزرگوں کا بچپن ہم سب کے لیے نصیحت آموز ہے۔ ان کی زندگیوں سے ہمیں تحریک و ترغیب ملتی ہے۔ اس لیے پیارے بچو اگر آپ لوگوں کو موقع ملے تو اپنے بڑوں کا بچپن ضرور پڑھیں۔ اس تعلق سے اردو ہندی اور انگریزی زبانوں میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ان کے بچپن کے نصیحت آموز واقعات ہیں۔ مائل خیرآبادی کی اور مسز افتخار بیگم صدیقی کی کتابیں 'بڑوں کا بچپن' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہوں گی جو تلاش کرنے پر آپ کو مل جائیں گی۔ ایسی کتابیں آپ پڑھیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان لوگوں کے راستے میں کتنی مشکلات تھیں مگر انھوں نے اپنے خواب کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ لال بہادر شاستری جو ہمارے ملک کے وزیر اعظم بھی رہے، معمولی کسان کے بیٹے تھے۔ ایک ایسے گاؤں میں پیدا ہوئے جہاں اسکول نہیں تھا، باپ کی معمولی آمدنی تھی، فیس اور کتابوں کی خریداری کے لیے پیسے تک نہیں تھے، وہ بڑی مشکلوں سے اسکول تک پہنچ پاتے تھے مگر اپنی جد و جہد سے انھوں نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ اعلیٰ منصب تک پہنچے۔ اسی طرح ڈپٹی نذیر احمد کا نام سنا ہوگا جو بہت بڑے ناول نگار تھے۔ وہ بھی بہت غریب تھے، پڑھنے کے لیے خرچ نہیں تھا، کسی مدرسے میں داخلہ لے لیا اور وہیں سے تعلیم حاصل کی اور پھر ملک کی بڑی شخصیت بن گئے۔ ابراہم لنکن بھی معمولی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ امریکہ کے صدر بنے۔ اسی طرح فرانس کے نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte) بھی تھے۔ وہ بھی نہایت غریب تھے۔ ان کی جیب میں اسکول کے دوسرے بچوں کی طرح بسکٹ ٹافی کھانے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تھے مگر کتاب سے انھیں بے پناہ عشق تھا اس لیے اپنی جد و جہد اور کوشش سے وہ اعلیٰ عہدے تک پہنچے۔ ان لوگوں کے اندر جذبہ تھا، جنون تھا اس لیے غربت ان کی راہ میں حائل نہیں ہوئی۔ انھوں نے ساری مشکلوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک ایسی زریں تاریخ رقم کی کہ آج دنیا رشک کرتی ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، آپ اپنے بزرگوں کا بچپن پڑھیں گے تو آپ کو اپنے مستقبل کو سنوارنے میں بہت مدد ملے گی اور آپ کے سامنے امکانات اور مواقع کے بہت سے دروازے خود بہ خود کھلتے جائیں گے۔

آپ کا

عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

مجھے رسالہ 'بچوں کی دنیا' پڑھنے میں بہت ہی مزہ آتا ہے۔ اس میں عظیم سائنسدانوں کی زندگی کے بارے میں کہانیاں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

مصنف کی ہر تخلیق کے شروع میں آپ اس کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔ آپ نے یہ سلسلہ شروع کرکے تمام مصنّفین کو بھی شکریہ کا موقع دیا۔ یہ مختصر تعارف کا سلسلہ مصنف کے مضمون کے شروع میں رسالے کے جدید سے جدید تر ہونے کی نشانی ہے۔ اس سے پہلے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مضمون کے مصنف کے نام کے ساتھ اس کا پتہ موبائل اور ای میل بھی شروع کیا تھا جو آج تک جاری ہے۔ اس سلسلے نے بھی رسالے کو جدید طرز کا کردیا ہے۔ بہت سے اردو جرائد نے ابھی تک یہ سلسلہ نہیں اپنایا ہے۔ بہرحال ان جدید رسالوں میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان پیش پیش ہے۔ اللہ اس ادارے کو مزید ترقی عطا فرمائے آمین۔

انیس الحسن صدیقی، 679، سیکٹر 22B، گروگرام 122015 (ہریانہ)

یہ شمارہ 8 اگست 2021 کا ہے۔ اس ماہ یوم آزادی کی وجہ سے قومی ترنگا کے ساتھ اس کے رنگوں کو سرورق پر بکھیر کر خوبصورت بنایا ہے۔ اداریہ خوب ہے۔ مدیر محترم نے بچوں کو مشورہ دیا ہے:

''بچو! میرا آپ کے لیے مشورہ ہے کہ آپ اپنے مطالعے میں آزادی کی تاریخ کے مطالعے کو بھی شامل کیجیے اور اپنے بڑوں سے بھی تحریک آزادی کے بارے میں جانیے۔ تاکہ آپ بڑے ہو کر اپنے ملک کی مضبوطی و سالمیت کے لیے اسی طرح مخلص و کوشاں رہیں۔ جس طرح آپ کے آباد و اجداد ملک کو آزاد کرانے اور اسے ایک مضبوط ملک بنانے کے لیے مخلص و سرگرم رہے تھے۔''

اگست 2021، قیمت :- ₹10
ماہنامہ
بچوں کی دنیا
نئی دہلی

مضامین 6 ہیں۔ پہلا مضمون ہمارا قومی جھنڈا (شبیر احمد) کا ہے بالکل سادہ اور سلیس زبان میں جھنڈے کے بارے میں بچوں کو اچھی معلومات فراہم کیں۔ دوسرا مضمون: مجاہد آزادی اشفاق اللہ خاں (معین الدین شاہین) کا ہے۔ ان کی قربانی کو ہم ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ تیسرا مضمون: انٹرنیٹ کی اہمیت وحقیقت (انور ادیب) کا ہے۔ انھوں نے بچوں کو بڑی اچھی معلومات فراہم کی ہیں۔ چوتھا مضمون: خط کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ خط آدھی ملاقات تھا۔ سوشیل میڈیا نے ختم کردیا۔ اس نظام کو محمد دانش نے بڑی اچھی باتیں بچوں کے لیے لکھیں۔ پانچواں مضمون: سمندری طوفان دلچسپ حقائق، (شیخ صابر) نے بچوں کے لیے نت نئی معلومات ہیں۔ چھٹا مضمون: کورونا اور ہم میں محمد طاہر صدیقی نے بہت سی معلومات بچوں کو دی ہیں۔

عطاء الرحمٰن طارق، فراق جلالپوری، محمد رفیع انصاری، حامد حسین کی نظمیں اور وکیل نجیب کا مضمون ہے۔ انھوں نے اور بچپن کی اچھی عکاسی کی ہے۔

محمد سراج عظیم، صدر عالم گوہر، خاں حسنین عاقب، منظر مظفر پوری اور محمد ذاکر کی کہانیاں سبق آموز ہیں اور بچوں کے لیے اہم بھی وہ ان کو پڑھ کر کچھ سیکھتے ہیں۔ ترجمہ: میں لیو ٹالسٹائی کے تین سوال کا ترجمہ استوتی اگروال نے کیا۔

بچوں کا کتب خانہ: میں حوصلوں کی اڑان پر عبدالوہاب قاسمی کا حوصلوں بھرا تبصرہ ہے۔

سائنس نامہ: میں کورونا سے بھی خطرناک مرض ہوکر مائکوسیس پر محمد زیان نے روشنی ڈالی ہے۔ زبان شناسی میں برج موہن دتاتریہ کیفی کی کتاب سے محاورے جنرل نالج، معلومات عامہ، صحت اطفال کا مضمون انجینئر، انسانی افادیت کا پہلا درخت، عبدالودود انصاری کا ہے جو ایک سائنس کے استاد بھی ہیں اور سائنس داں بھی، کہکشاں میں چمن چمن کے پھول، خوبصورت اشعار، کووڈ لاک ڈاؤن اور رہم بچے عائشہ ساتویں جماعت کا مضمون خوب ہے۔ اس کے بعد بچوں کی پینٹنگس ہیں۔

ڈاکٹر م ق سلیم، صدر شعبۂ اردو، شاداں کالج، حیدرآباد، تلنگانہ

زیر نظر شمارہ کوئی 62 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور تمام تر دلچسپ مواد سے بھرپور ہے۔ اس میں کوئی 12 شہ سرخیاں قائم ہیں جن کے تحت مضامین، نظمیں وغیرہ ملاکر کوئی 24 عنوانات کے تحت دلچسپ نگارشات ہیں اور سبھی ایک سے بڑھ کر ایک بالخصوص 'زبان شناسی' (ص 55) اور ص 56 پر 'جنرل نالج' (عام معلومات) بہت ہی پسند آئے۔ اتنا پُر بہار شمارہ جاری کرنے کے لیے آپ تمام اور سبھی لکھنے والوں کو بہت بہت مبارکباد۔

مصطفیٰ ندیم خان غوری، زریں ولا، گرین ویلی، روضہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' شمارہ جولائی 2021 پڑھا۔ دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ شمارے میں بچوں کے لیے دلچسپ کہانیاں، عمدہ مضامین، سائنس نامہ، جنرل نالج، ڈراما، صحت اطفال اور شعر یاد کرنے کے لیے 'چمن چمن کے پھول' جیسے کالم ہیں۔ یہ تمام کالم بچوں کے لیے مفید ہی نہیں دلچسپ بھی ہیں۔ شمارے میں عبیداللہ ہاشمی کی کہانی 'تتلی رانی'، حبیب ریتھ پوری کی کہانی 'سیاہ سفید'، شکیل سہسرامی کی نظم 'شعر نصیحت' بہت خوب ہے۔ بقیہ سارے مشمولات اچھے اور پڑھنے کے لائق ہیں۔

معین الدین شمسی، گریڈیہہ، جھارکھنڈ

کافی انتظار کے بعد بچوں کی دنیا جولائی اگست کے شمارے ایک ساتھ موصول ہوئے۔ دونوں شماروں کے تمام موضوعات پسند آئے۔

محمد مصعب، درجہ ہشتم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پونہ، مہاراشٹر

مئی 2021 کا شمارہ میں نے بازار سے خرید کر پڑھا۔ شمارے میں مجھے ڈاک خانہ اچھا لگا۔ سلمٰی یوسف حسین کی 'آئس کریم کی ایجاد'، سلام بن رزاق کا 'کام اور اتحاد' اور نسرین سلطانہ سید جلال الدین صاحبہ کا 'بچوں کی محلّہ لائبریریاں' بچوں کو اردو میں دلچسپی اور مگن رہنے کے لیے بہت اچھا کام ہے۔ آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ 'صبح اٹھنے کے فائدے' اول درجے کا مضمون ہے۔ 'عیدالفطر' اور 'میں نے جنت تو نہیں دیکھی ماں دیکھی ہے' واقعی ماں دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے، 'جھوٹ سے دور رہو بچو' اور 'چنیا پھنس گئی'، 'مٹی کا کٹورا' اور 'عقلمند قاضی' بھی پسند آیا۔ 'شہد ایک نعمت' اور 'چمن چمن کے پھول' اچھے لگے۔

عبدالمجید، اروانی، کلگام، اننت ناگ، جموں و کشمیر

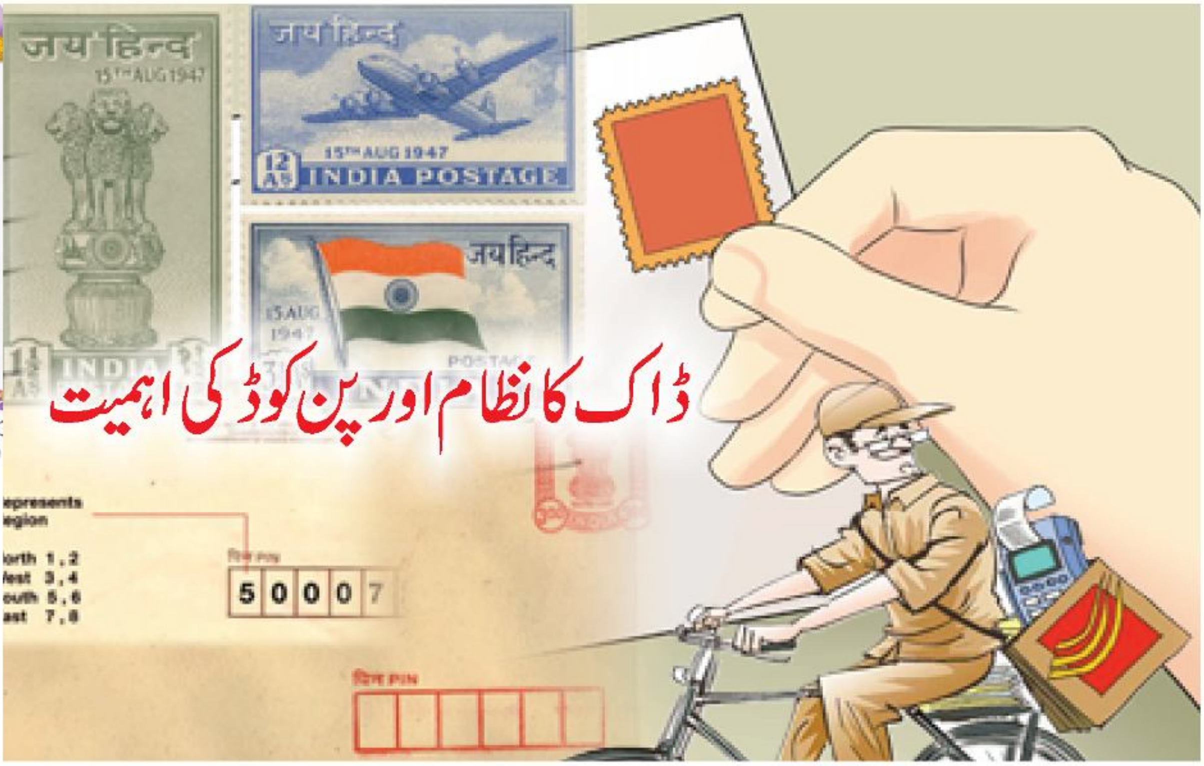
जय हिन्द
15TH AUG 1947
15TH AUG 1947
12 AS INDIA POSTAGE
जय हिन्द
15 AUG 1947
INDIA
POSTAGE
epresents
egion
orth 1,2
/est 3,4
outh 5,6
ast 7,8
पिन PIN
50007
पिन PIN

ڈاک کا نظام اور پن کوڈ کی اہمیت

ایم اے کنول جعفری

ایم اے کنول جعفری (ایم اے) کا تعلق اترپردیش کے ضلع بجنور سے ہے۔ بچوں کے لیے کہانیاں اور افسانے لکھتے ہیں۔ دو افسانوی مجموعے 'چاک کا بوسیدہ ٹکڑا' اور 'خاموش لب' شائع ہوچکے ہیں۔ ان کے علاوہ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں اور ملک و بیرون ملک کے رسائل و جرائد میں ان کی غزلیں اور نظمیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بچوں کے لیے علمی اور ادبی مضامین بھی لکھتے ہیں۔

ترسیل کا وہ نظام جس میں خط، لفافے، رجسٹری، پیغام یا منی آرڈر وغیرہ کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھیجا اور ان پر لکھے پتے کے مطابق حق دار لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے، ڈاک کہلاتا ہے۔ قدیم زمانے میں ڈاک کا ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچانا جہاں کافی مشکل کام ہوا کرتا تھا، وہیں آج کے الیکٹرونک دَور نے اسے اتنا آسان بنا دیا ہے کہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کی جانے والی رقم بھی چند منٹوں میں آسانی سے کہیں بھی پہنچ جاتی ہے۔ ڈاک خانے سے خریدے جانے والے خط، قومی خط، لفافے، بیرون ملک ملفوف اور منی آرڈر فارم وغیرہ پر پتے کے حصے میں سب سے نیچے چھ چھوٹے خانے بنے ہوتے ہیں۔ کاتب یا مکتوب نگار ڈاک کو بغیر کسی تاخیر کے مکتوب الیہ تک پہنچانے کے لیے ان خانوں میں چھ نمبر درج کرتا ہے۔ ہمیں موصول ہونے والی ڈاک میں بھی اسی طرح چھ نمبر تحریر ہوتے ہیں۔ چھ عدد (Digit) میں لکھے یہ نمبر پن (Pin) یا پن کوڈ (Pincode) کہلاتے ہیں۔ پن کوڈ کا پورا نام پوسٹل انڈیکس نمبر ہے۔ پن کوڈ ہر صوبے، علاقے اور شہر کے لیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ پن کوڈ لکھی ڈاک اِدھر اُدھر نہیں بھٹکتی اور مکتوب الیہ تک جلدی و آسانی سے پہنچ جاتی

ہے۔ ڈاک کے محکمے کو پن کوڈ کی ضرورت کیوں پڑی، اِس پر غور و خوض سے پہلے ہمیں ڈاک کے نظام کو سمجھنا چاہیے، جو دنیا بھر کی معاشی ترقی اور اقتصادی سرگرمیوں میں اضافے کے ساتھ لوگوں کو آپس میں جوڑے رکھنے میں نمایاں کردار ادا کرتا آرہا ہے۔

اِنسانی ترقی کے ساتھ ساتھ لکڑی کی تختی، دفتی اور کاغذ وجود میں آیا۔ لکھنے کا عمل آسان ہوا، تو خط کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے اور لانے کے عمل نے رفتار پکڑی۔ تحریری پیغام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے پرندوں اور جانوروں کو تربیت دے کر اُن سے یہ اہم کام لیا گیا۔ قرآن مجید کی سورۃ ’نمل‘ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہُدہُد پرندے کے ذریعے ملکہ بلقیس کے دربار میں خط لے جانے کا ذکر موجود ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ فرعون کے زمانے میں مصر میں ڈاک کا نظام پایا جاتا تھا۔ قریب دو ہزار برس قبل چین کے ایک بادشاہ نے گھوڑوں اور خچروں کے ذریعے ڈاک پہنچانے اور لانے کی شروعات کی، مگر ڈاک کا مکمل نظام اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دَورِ خلافت میں تشکیل دیا گیا۔ اسی نظام کو دوسرے خلیفہ اور صحابہٴ کرام نے بتدریج آگے بڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ شام اور مصر پر یورپ کے متواتر حملوں کی خبر گیری کے لیے نورالدین محمود زنگی نے کبوتروں کی ڈاک کو رائج کیا۔ صلاح الدین ایوبی اور بغداد کے خلیفہ ناصر الدین نے اس طرف خصوصی توجہ دی اور کبوتروں کی ڈاک کا باقاعدہ ایک محکمہ قائم کیا۔

عام طور پر لوگوں نے اپنی بات کو گاؤں یا شہر میں مقیم اپنے دوستوں، عزیزوں، رشتے داروں یا پھر دیگر اداروں تک پہنچانے اور ان کے جوابات لانے کے لیے بذاتِ خود سفر طے کیے۔ اس کے علاوہ گھر کے دوسرے شخص کو بھیجا جاتا یا پھر کسی دیگر شخص کو اُجرت دے کر اس کی مدد لی جاتی تھی۔ پیغام، خبر یا خط پہنچانے والے شخص کو قاصد، خط رساں، پیغام بر یا ڈاکیہ کہا جاتا ہے۔ شہنشاہ، بادشاہ، نواب، راجہ، مہاراجہ اور ریاست کے جاگیرداروں کے یہاں ڈاک لے جانے اور لانے کے لیے باقاعدہ پیغام بر یا قاصد رکھے جاتے تھے۔ اصل میں ڈاک کے ذریعے بھیجے جانے والے خط، محض خط ہی نہیں ہوتے تھے، بلکہ یہ اپنے اندر ایک تاریخ کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ اہم شخصیات کے خطوط اُن کے دَور کی ترجمانی ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں داغ، غالب، آزاد، جوش ملیح آبادی، علامہ اقبال وغیرہ مشاہیرِ اُردو کے خطوط تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دو لوگوں کے درمیان رابطہ اور تبادلہٴ خیال کا وسیلہ مانا جانے والا خط ہر زمانے میں پیغام رسانی کا اہم ترین ذریعہ رہا ہے۔

ہندوستان میں شیر شاہ سوری نے 1540-45 میں ڈاک کے نظام کو وسعت دی۔ سندھ سے بنگال تک ڈاک پہنچانے

> **ہندوستان میں شیر شاہ سوری نے 1540-45 میں ڈاک کے نظام کو وسعت دی۔ سندھ سے بنگال تک ڈاک پہنچانے کے لیے راستے میں جگہ جگہ پڑاؤ بنائے اور وہاں تازہ دم گھوڑوں کا بندوبست کیا، تاکہ تیز دوڑنے والے تازہ دم گھوڑوں کی مدد سے ڈاک کو بروقت منزل مقصود تک پہنچا یا جاسکے۔ ملک میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد خط کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لیے کافی سنجیدگی سے کام لیا گیا۔**

کے لیے راستے میں جگہ جگہ پڑاؤ بنائے اور وہاں تازہ دم گھوڑوں کا بندوبست کیا، تاکہ تیز دوڑنے والے تازہ دم گھوڑوں کی مدد سے ڈاک کو بروقت منزل مقصود تک پہنچایا جاسکے۔ ملک میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد خط کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لیے کافی سنجیدگی سے کام لیا گیا۔ 1766 میں لارڈ کلائیو (Lord Clive) نے پہلی بار ڈاک کا باقاعدہ نظام قائم کیا۔ 1774 میں وارین ہیس ٹنگس (Lord Warren Hastings) نے کلکتہ (کولکاتا) میں ملک کا پہلا ڈاک خانہ قائم کیا۔ بعد میں ضرورت کے تحت 1786 میں مدراس (چینئی) اور 1793 میں ممبئی (بمبئی) میں ہیڈ پوسٹ آفس بنائے گئے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انگریزوں نے ہندوستانی ڈاک نظام کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1837 میں لارڈ ولیم بینٹک نے ڈاک کی بابت ایک قانون بنایا۔ لارڈ ڈلہوزی کے دور اقتدار میں 1852 میں کمشنر سر بارٹلے فریرے نے نہ صرف ڈاک کا مکمل نظام پیش کیا، بلکہ دو پیسے کا 'سندھ ڈسٹرکٹ' لکھا ہوا سرخ رنگ کا ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا۔ لارڈ ڈلہوزی نے 1854 میں ڈاک کے نظام کو مزید بہتر بنایا اور عوام کو دو پیسے کا ٹکٹ لگا لفافہ ہندوستان کے کسی بھی کونے میں بھیجنے کی سہولت فراہم کی۔ لارڈ ڈلہوزی نے ہی یونی فارم ڈاک کی قیمیں جاری کی اور نئے پوسٹ آفس ایکٹ کو منظور کیا۔ اس ایکٹ کے تحت تین صوبائی علاقوں میں ڈائریکٹر جنرل تعینات کیے گئے۔ یکم اکتوبر 1854 کو پہلی بار پوسٹ آفس کو ایک الگ اکائی (Uint) کے طور پر قومی اہمیت کا درجہ دیتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل کی زیر قیادت کام کرنے کی منظوری دی گئی۔ یکم/اکتوبر 1854 بھارت میں ڈاک کے قیام کا دن تسلیم کیا جاتا ہے۔ 1863 میں ٹرین کے ذریعے ڈاک بھیجنے کی شروعات کی گئی۔ 1873 میں خوبصورت نقاشی دار لفافے کی ڈاک خانوں میں فروخت شروع کی گئی۔ 1876 میں ڈاک کو بھارت پارسل پوسٹل یونین میں شامل کیا گیا۔ اگلے برس 1877 میں وی پی پی اور پارسل کی خدمات شروع کی گئیں۔ محکمۂ ڈاک نے 1879 میں پوسٹ کارڈ اور 1880 میں منی آرڈر کی شروعات کی۔ بیسویں صدی میں قدم رکھتے ہی محکمے نے 1911 میں پہلی مرتبہ بذریعہ پرواز ڈاک بھیجنے کا فیصلہ لیا اور الہ آباد سے نینی تک ہوائی جہاز کے ذریعے ڈاک پہنچائی گئی۔ چونکہ اس سے قبل کسی بھی ملک نے ڈاک کے لیے پرواز کا استعمال نہیں کیا تھا، اس لیے یہی دُنیا کی پہلی ایئر میل سروس بھی ہے۔ 1935 میں انڈین پوسٹل آرڈر کی ابتدا ہوئی۔ 15 اگست 1972 میں ڈاک کو جلدی پہنچانے کے لیے ملک کو آٹھ زون میں تقسیم کرتے ہوئے پن کوڈ کی شروعات کی گئی۔ 1984 میں ڈاک جیون بیمہ کی ابتدا ہوئی۔ 1985 میں ایک ساتھ کام کرنے والے ڈاک اور ٹیلی کام محکموں کو الگ کیا گیا۔ 1986 میں تیز گامی ڈاک کی ابتدا ہوئی۔ ڈاک محکمہ نے 1990 میں ممبئی اور چینئی میں خودکار ڈاک نظام مراکز کھولے۔ 1995 میں دیہی ڈاک جیون بیمہ کی شروعات کی گئی۔ 1996 میں میڈیا ڈاک 1997 میں کاروباری ڈاک، 1998 میں سیٹلائٹ ڈاک اور 1999 میں ڈاٹا ڈاک وایکس پریس ڈاک خدمات کی ابتدا ہوئی۔ 2000 میں گریٹنگ پوسٹ سروس شروع کی گئی اور صارفین کو ڈاک خانوں سے مبارک بادی کے لفافے حاصل کرائے گئے۔ 2001 میں الیکٹرانک فنڈ ٹرانسفر (EFT) کا آغاز ہوا۔ تین جنوری 2002 کو انٹرنیٹ پر مشتمل ٹریک اور ٹیکس خدمات، 15 ستمبر 2003 بل ڈاک 30 جنوری 2004 کو اِی۔ پوسٹ اور

10 اگست 2004 کو لوجسٹکس پوسٹ خدمات کی شروعات ہوئی۔ ایک اکتوبر 2004 کو قومی ڈاک نظام کے 150 برس مکمل ہونے پر ملک بھر میں خصوصی تقاریب کا انعقاد کیا گیا۔

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ملک میں محکمۂ ڈاک کے ذریعے 15 اگست 1972 میں ڈاک فہرست نمبر یعنی پن یا پن کوڈ کی شروعات ہوئی۔ پن کوڈ چھ ڈِزٹ کا مخصوص نمبر ہوتا ہے۔ پن کوڈ میں ایک سے نو تک کے اعداد کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کو آٹھ خصوصی زون (Zone) میں بانٹا گیا۔ اس کے علاوہ محکمہ فوج کے لیے الگ سے نواں زون بنایا گیا۔ بائیں جانب سے پہلے خانے میں زون کا نمبر لکھا جاتا ہے۔ ایک نمبر زون کے لیے دہلی، ہریانہ، پنجاب، چنڈی گڑھ، ہماچل پردیش اور جموں و کشمیر صوبے رکھے گئے۔ دو نمبر کے لیے اُتر پردیش اور اُترا کھنڈ صوبوں کو رکھا گیا۔ تین نمبر میں راجستھان اور گجرات صوبے شامل ہیں۔ چار نمبر میں مہاراشٹریہ، مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ صوبے ہیں۔ پانچ نمبر کے تحت کرناٹک، آندھرا پردیش اور تلنگانہ صوبے آتے ہیں۔ چھ نمبر میں کیرالہ اور تمل ناڈو صوبے شامل ہیں۔ سات نمبر میں اوڈیشا، مغربی بنگال، آسام اور سکم وغیرہ کو رکھا گیا ہے۔ آٹھ نمبر کے زون میں بہار اور جھارکھنڈ کو لیا گیا ہے۔

دوسرے خانے میں لکھے جانے والے نمبر سب زون کے لیے مختص ہیں۔ اگر پہلے خانے میں ایک کے بعد دوسرے خانے میں بھی ایک نمبر لکھا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ ڈاک دہلی کی ہے۔ اگر دوسرے خانے میں دو یا تین لکھا ہے تو ڈاک ہریانہ کی ہے۔ اگر چار، پانچ یا چھ نمبر تحریر ہے، تو ڈاک پنجاب کی ہے۔ سات لکھا ہے تو ڈاک ہماچل پردیش کی ہے اور اگر آٹھ یا نو نمبر درج ہے تو ڈاک جموں و کشمیر کی ہے۔ تیسرے خانے کے نمبر سے ضلع کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ صوبوں میں اضلاع کی تعداد نو سے زیادہ ہوتی ہے، اس لیے چوتھے، پانچویں اور چھٹویں خانے میں لکھے نمبروں سے ڈاک خانے کی جانکاری حاصل کی جاتی ہے۔ بھارت میں قریب ڈیڑھ لاکھ ڈاک خانے ہیں۔ یہ تعداد دُنیا کے کسی بھی ملک کے مقابلے سب سے زیادہ ہے۔

پوسٹ مین شہر و دیہات میں جگہ جگہ لگے لیٹر بکس سے خط ولفافے نکال کر ڈاک خانے لے جاتے ہیں۔ ڈاک خانے میں اِس ڈاک کے علاوہ پوسٹ آفس کے کاؤنٹر پر لی جانے والی رجسٹرڈ ڈاک، منی آرڈر یا پارسل وغیرہ کو ان کی منزل کی جانب روانہ کرنے سے قبل پن کوڈ کے اعداد کی پڑتال کی جاتی ہے۔ ڈاک چھانٹنے کے اس کام میں پن کوڈ کے بائیں طرف کے پہلے خانے اور دوسرے خانے کی مدد سے ڈاک کو زون اور سب زون میں بھیجا جاتا ہے۔ سب زون سے تیسرے خانے میں درج نمبر کو دیکھتے ہوئے ڈاک ضلع میں پہنچائی جاتی ہے۔ داہنی سمت کے تینوں نمبروں کی مدد سے ڈاک و پارسل کو ڈاک خانوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ ڈاک خانے سے ڈاکیہ ڈاک لے کر بانٹنے چلا جاتا ہے اور پتے کی پہلی لائن میں تحریر نام کے شخص تک پہنچا دیتا ہے۔ پن کوڈ کی شروعات سے پہلے ڈاک چھانٹنے کے عمل میں ذرا سی چوک ہو جانے پر ڈاک راستہ بھٹک کر کہیں دُور نکل جاتی تھی اور واپسی کرنے میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ پن کوڈ کی مدد سے نہ صرف ڈاک کی چھٹنی کا کام کافی آسان ہو گیا، بلکہ مکتوب الیہ کو بھی ڈاک جلدی ملنے لگی۔

■

M. A. Kanwal Jafri
127/2, Jama Masjid
Neendru, Tehsil Dhampur
Distt.: Bijnor - 246761 (UP)
Mob.: 9917767622

عشرت جہاں

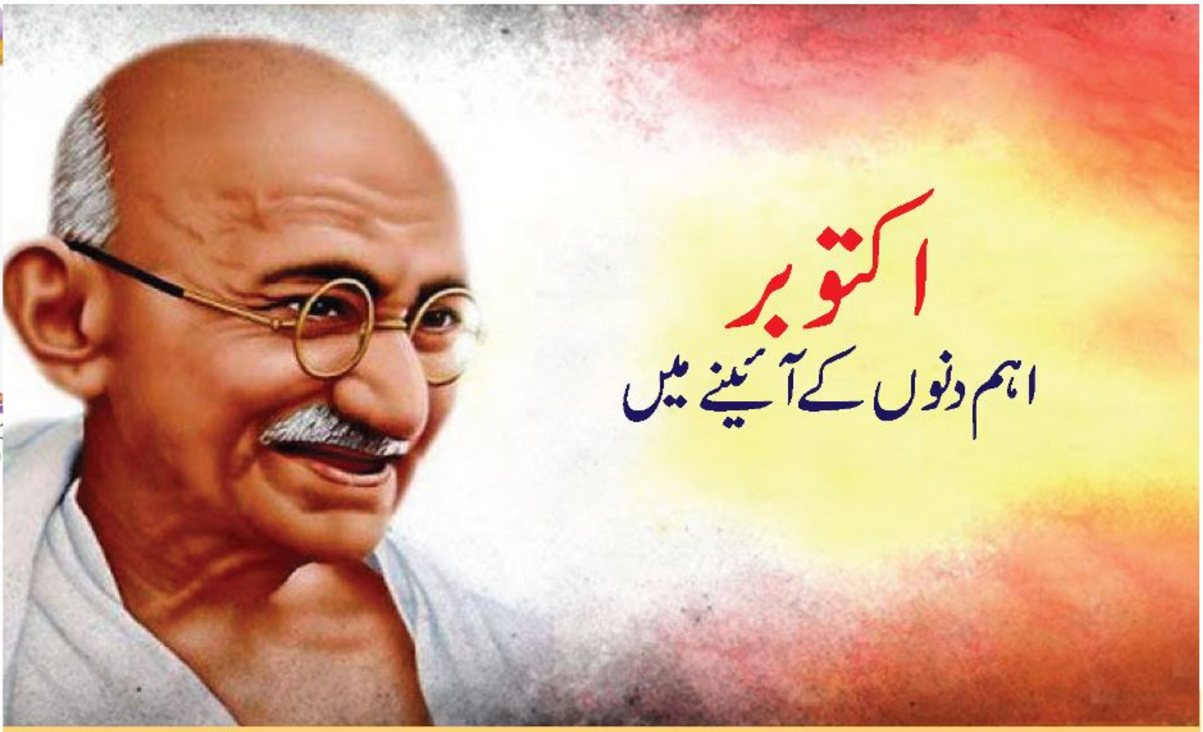

اکتوبر

اہم دنوں کے آئینے میں

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر مہینہ میں کچھ نہ کچھ ایسے اہم واقعات رونما ہوئے جن کا تذکرہ آنے والے زمانوں میں بھی کیا جاتا رہا ہے اور ان میں سے بہت سے دنوں کو منانے کا رواج بھی قائم ہوا ہے۔ چنانچہ ہر سال انھیں مختلف قومیں جوش وخروش کے ساتھ مناتی ہیں۔ ان میں سے بعض دن ایسے ہیں جنھیں پوری دنیا مناتی ہے اور بعض دنوں کو مخصوص ممالک یا اقوام کے درمیان منایا اور یاد کیا جاتا ہے۔ جن دنوں کو منایا اور یاد کیا جاتا ہے ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ان پر بات کرنا کسی ایک مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اس مضمون میں ہم ماہ اکتوبر کے بعض دنوں تک اپنی گفتگو کو محدود رکھیں گے۔

اکتوبر میں چند ایام کو چھوڑ کر تقریباً پورے مہینہ کے دنوں کو کسی نہ کسی واقعہ کے لیے یاد کیا جاتا ہے یا کسی اہم واقعہ، موضوع یا بات کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ مثلاً اکتوبر کی پہلی تاریخ کو بزرگوں کے عالمی دن کے طور پر مناتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو بزرگ ہمارے سماج کا وہ حصہ ہوتے ہیں جن کے پاس تجربات ومشاہدات کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے، جس کی بنا پر وہ نوجوان نسلوں کی رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ اس دن کو منانے کے پیچھے یہی مقصد کارفرما نظر آتا ہے کہ بزرگوں کے حوالے سے جوان نسل کو بیدار کیا جائے کہ وہ ان کا احترام کریں، ساتھ ہی ان کی باتوں کو غور سے سنیں اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ ایک اور بات یہاں قابل توجہ یہ بھی ہے کہ بزرگوں کے ساتھ بچوں اور نوجوانوں کا رویہ حسن سلوک پر مبنی ہونا چاہئے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بڑھاپے میں جسمانی اعضا کمزور پڑ جاتے ہیں۔ بوڑھے لوگ بھاگ دوڑ کے قابل نہیں رہ پاتے ہیں، ان کی زندگی اپنے بچوں پر منحصر ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایسے میں اگر بچوں کی طرف سے اچھا سلوک نہ کیا جائے، ان کے طعام وقیام، علاج معالجہ اور دیگر ضروریات کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان کے لیے بڑی مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں، اس لیے ان کی

تمام ضروریات کا خیال رکھیں اور ان کا احترام بھی کریں۔ احترام یا مدد کی بات صرف اپنے بزرگوں تک محدود نہیں بلکہ عمر رسیدہ لوگ چاہے وہ اپنے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں، ان کا احترام کیا جانا چاہیے۔ اگر آپ بس یا ٹرین میں ہیں تو انھیں فوراً سیٹ دے دیجیے کیونکہ آپ کے مقابلے میں وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ ان سے بات کریں تو ادب کے دائرے میں بات کریں اور ان کی عمر کا پورا خیال رکھیں۔

ماہ اکتوبر کے دوسرے دن کو 'گاندھی جینتی' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ گاندھی جی 2/ اکتوبر 1869 کو ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ہندوستان کی آزادی کے لیے قائدانہ رول ادا کیا، کئی تحریکوں میں حصہ لیا۔ انھوں نے ایک بہت ہی اہم تحریک 'عدم تشدد' بھی چلائی تھی۔ گاندھی جی سچ، امن اور محبت و یکجہتی میں یقین رکھنے والے تھے۔ وہ تمام طبقات کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اتحاد ہی ہماری اصل قوت ہے اور ہمارے ملک کی شان و شوکت اسی سے قائم ہے۔ انھوں نے نہ صرف باشندگان ہند کو امن و محبت کا سبق دیا بلکہ پوری انسانیت کو یہ پیغام دیا کہ لوگ باہم مل جل کر رہیں، آپس میں بھائی چارے کو قائم رکھیں، امن کو فروغ دیں اور سچائی پر قائم رہیں۔ گاندھی جی کی شخصیت اپنے آپ میں اتنی اہم ہے کہ ان کی حیات اور فلسفہ کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ گاندھی جی کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ صرف ہندوستان کے لوگ ہی ان سے محبت نہیں کرتے بلکہ دوسرے ممالک کے لوگ بھی ان کو عظیم رہنما کے طور پر دیکھتے ہیں اور ان کے پیغامات سے استفادہ کرتے ہیں۔

اکتوبر کی تیسری تاریخ کو 'ورلڈ نیچر' کے پس منظر میں منانے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ اس کے پیچھے یہی پیغام نظر آتا ہے کہ لوگ نیچر کی اہمیت کو سمجھیں، اس کے تحفظ کی کوشش کریں اور اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ اس لیے کہ نیچر کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا مطلب ہے بہت سے خطرات کو دعوت دینا۔ اس تناظر میں جب ہم موجودہ دنیا کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عوام الناس نے فی زمانہ بڑے پیمانے پر نیچر سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی ہے۔ جس کے نتیجہ میں گلوبل وارمنگ کا خطرہ بھی بڑھ گیا ہے۔ فضائی آلودگی میں بھی اضافہ ہوا ہے، آبی آلودگی، صوتی آلودگی، ضیائی آلودگی وغیرہ نے عوام الناس کو مختلف اقسام کی بیماریوں کی طرف ڈھکیل دیا ہے۔ نیچر کی اہمیت کو ہم جتنی جلدی سمجھ لیں، اتنا ہی اچھا ہے،

ورنہ آنے والے وقت میں اور زیادہ خطرات سے ہمیں دوچار ہونا پڑسکتا ہے۔ تین اکتوبر کو اگر سارے عالم میں ورلڈ نیچر کے پیغام کو سمجھا جائے اور اس پر عمل بھی کیا جائے تو مستقبل میں ہم اس کے بہت سے فائدے دیکھیں گے۔

ماہ اکتوبر کی 4/تاریخ کو 'ورلڈ اینیمل ویلفیئر ڈے' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہ دن حیوانات کے تعلق سے انسانوں کو بیدار کرتا ہے اور ان کے تحفظ کے حوالے سے انسانی کوششوں کو سراہتا ہے۔ دراصل حیوانات، نباتات اور جمادات سبھی کی دنیا میں اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے اور ان سب سے انسانی زندگی بھی جڑی ہوئی ہے۔ اسی لیے اس زمانے میں جانوروں کی کم ہوتی تعداد اور ان کی ختم ہوتی نسلوں کے لیے ماہرین فکرمند ہیں۔ حکومتیں بھی اب اس تعلق سے سرگرم نظر آرہی ہیں اور حیوانات کے تحفظ اور ان کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوششیں کررہی ہیں۔ حیوانات کے تعلق سے عوامی سطح پر بیداری لانے کے لیے طرح طرح کی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں۔ چار اکتوبر کو عالمی یوم حیوانات کے طور پر منانا بھی انہیں تدابیر میں سے ایک ہے۔

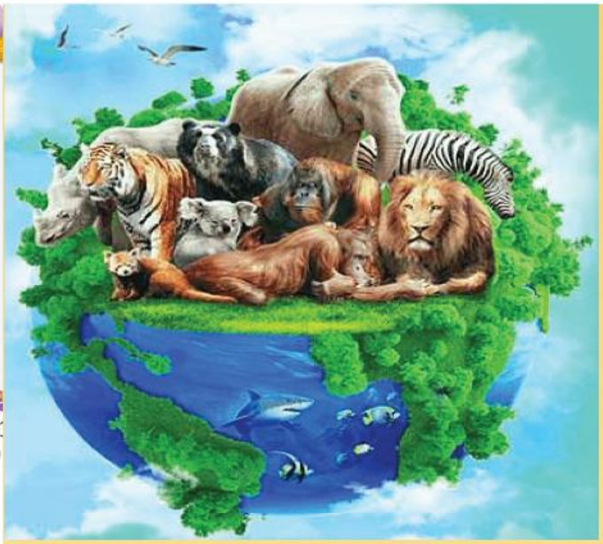

اکتوبر کی 6/تاریخ کو عالمی جنگلاتی زندگی کے حوالے سے بھی منایا جاتا ہے اور ورلڈ فوڈ سیکورٹی ڈے کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔ جنگلاتی زندگی اور ورلڈ فوڈ سیکورٹی دونوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ موجودہ عہد میں جب ہم جنگلاتی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہمارے عہد میں جنگلاتی زندگی بہت متاثر ہوگئی ہے۔ بہت سے جنگلات یا تو ختم ہوگئے ہیں یا ختم ہونے کو ہیں اور اس کی ذمہ داری انسانوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جنگلات کو کاٹنے کا کام انسان ہی کررہے ہیں۔ وہ فیکٹریاں لگارہے ہیں، کارخانے قائم کررہے ہیں اور بڑی بڑی کمپنیاں بنارہے ہیں۔ جو جنگلات ابھی محفوظ ہیں ان میں موجود حیوانات کی زندگیاں خطرے میں ہیں، اس لیے کہ بعض حیوانات ایسے ہوتے ہیں جو گھنے جنگلات میں رہنا پسند کرتے ہیں، لیکن اب اس طرح کے جنگلات دیکھنے کو دور دور تک نہیں ملتے، جس کے باعث جانوروں کی بہت سی قسمیں ختم ہوچکی ہیں یا ختم ہونے والی ہیں۔ جنگلات کا کاٹنا نیچر کو بھی متاثر کرتا ہے جس کے دوررس نتائج انسانی زندگی پر بھی پڑتے ہیں، اس لیے جنگلات کا تحفظ اس دور کا اہم مسئلہ ہے۔ چھ اکتوبر کو ورلڈ فوڈ سیکورٹی کے طور پر منایا جانا بھی بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ کھانا انسان کی زندگی

کے لیے بہت ضروری ہے لیکن جب ہم اس تناظر میں پوری دنیا کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ممالک ایسے ہیں جن کے پاس خوراک کی کمی ہے۔ وہاں کے بہت سے لوگوں کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہوتی۔ غذائی قلت کی وجہ سے کتنے ہی لوگ دنیا بھر میں اپنی جان کھو دیتے ہیں اور غذائی قلت کے باعث بہت سے بچے، بوڑھے اور جوان بیمار پڑ جاتے ہیں، ان کی قوت مدافعت متاثر ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف خوراک کے تعلق سے بے احتیاطی بھی خوب دیکھنے کو ملتی ہے۔ جو لوگ صاحب ثروت ہیں، ان میں ان گنت لوگ اتنا کھاتے نہیں جتنا ضائع کرتے ہیں۔ اگر ان کے ذریعے ضائع کردہ خوراک کی حفاظت کر لی جائے اور جن لوگوں کے پاس خوراک کی کمی ہے اسے وہاں پہنچا دیا جائے تو یقیناً لاکھوں کروڑوں لوگوں کو اس سے فائدہ ہوگا اور وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں گے۔

اکتوبر میں جن دنوں کو منایا جاتا ہے، ان میں ایک اور اہم دن نیشنل پوسٹ ڈے (عالمی یوم ڈاک) بھی ہے۔ جہاں تک بات ڈاک کی ہے تو اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انسانوں کے باہمی رابطہ کا اہم ذریعہ ہے اور تجارتی امور بھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس زمانے میں انٹرنیٹ اور موبائل نے باہمی رابطے کو آسان بنا دیا ہے، مگر پھر بھی اس کی اپنی جگہ اہمیت باقی ہے۔ اکتوبر کی گیارھویں تاریخ کو ہم 'عالمی گرل چلڈرن' کی حیثیت سے مناتے ہیں۔ 'لڑکیاں' ہمارے معاشرے کے لیے بہت اہم ہیں۔ ان کے بغیر انسانی زندگی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ وہی آگے چل کر ماں کا کردار ادا کرتی ہیں اور نسلوں کے تحفظ کی ضامن بنتی ہیں۔ بچوں کی پرورش و پرداخت اور بہت حد تک تعلیم و تربیت کا انحصار ان پر ہوتا ہے۔ اس لیے لڑکیوں کے حقوق کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ انھیں اتنی ہی اہمیت دی جانی چاہئے جتنی کہ لڑکوں کو دی جاتی ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے سماج میں بہت سے لوگ لڑکیوں کی پیدائش کو لے کر فکر مند نظر آتے ہیں اور ان کی ولادت پر خوش ہونے کے بجائے مغموم ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ تو لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو کمتر سمجھتے ہیں، یاد رہے کہ لڑکیوں کے ساتھ یہ رویہ غیر انسانی ہے۔ یہ دن لڑکیوں کے بارے میں مثبت سوچنے کا پیغام دیتا ہے۔

اکتوبر کے مہینے میں منائے جانے والے دنوں میں ایک اور دن 31/ اکتوبر بھی ہے جسے ہندوستان میں راشٹریہ ایکتا دیوس کے طور پر منایا جاتا ہے۔ 2014 میں حکومت ہند کے ذریعے اس کو متعارف کرایا گیا۔ اکتوبر کا یہ دن باشندگان ہند کو اپنے ملک و قوم کے تئیں بیدار کرتا ہے اور اس بات کا پیغام دیتا ہے کہ قومی ایکتا بہت ضروری ہے۔ کثرت میں وحدت اور انیکتا میں ایکتا ہمارے ملک کی شان اور خصوصیت ہے۔ قومی یکجہتی کا جو نظارہ ہمارے ملک میں دکھائی دیتا ہے، اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ چنانچہ قومی میل جول کو اور زیادہ مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہمارے ملک کی طاقت بنی رہے اور ہم اپنے ملک کی اس خصوصیت پر ناز کرتے رہیں۔ مذکورہ ایام کے علاوہ اور بھی کئی اہم دن اکتوبر کے مہینے میں ایسے ہیں جنھیں قومی یا عالمی سطح پر منایا اور یاد کیا جاتا ہے اور یہ ایام ہمیں کسی نہ کسی حد تک کسی اہم مسئلہ یا موضوع کے تعلق سے بیدار کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں ان دنوں کے پیغامات پر نظر رکھنی چاہیے اور انھیں اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے اور عمل بھی کرنا چاہیے۔

■

Ishrat Jahan
Mohalla Tandola Tanda
Rampur- 244925(U.P)

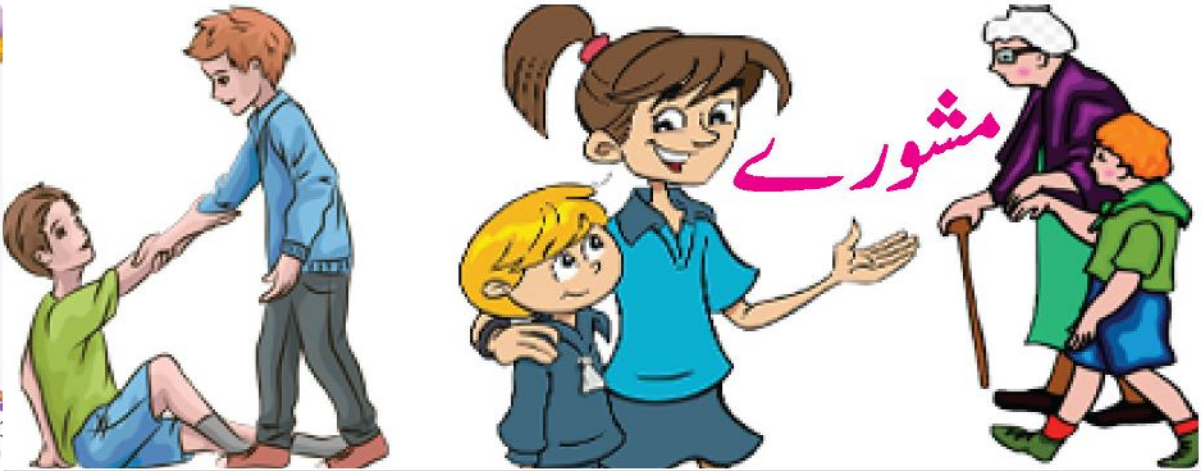

مشورے

مہدی پرتاپ گڈھی

مہدی پرتاپ گڑھی کا تعلق اتر پردیش کے شہر پرتاپ گڑھ سے ہے۔ وہ چالیس سال تک محکمہ آبپاشی سے وابستہ رہے۔ اردو کے مقتدر رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات تواتر کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان کا شمار اردو کے اچھے شاعروں میں ہوتا ہے۔ لفظ و بیاں، نئے نئے آسماں، احساس کا کرب ان کے شعری مجموعے ہیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے تتلیاں، روشنی کا سفر جیسی کتابیں تحریر کی ہیں۔ بچوں کے رسائل میں بھی ان کی تحریریں چھپتی رہی ہیں۔

جلاؤ چراغِ محبت جلاؤ
کدورت کی تاریکیوں کو مٹاؤ
اگر کام اپنوں کے آتے تو کیا ہے
بنے بات جب کام غیروں کے آؤ
جو مجبور ہیں ان کی امداد کرلو
جو معذور ہیں ان کے بھی کام آؤ
بزرگوں کے اقوال رکھو نظر میں
انھیں پر عمل کرکے دنیا بناؤ
بھروسے پہ غیروں کے رہنا نہ سیکھو
تم اپنی ہی محنت سے خود کو بناؤ
خدا نے تمھیں دی ہے بازو میں قوت
پڑے وقت جب اس کو تم آزماؤ
نہیں ہے میسر اگر گل کو کیا ہے
کبھی راستے میں نہ کانٹے بچھاؤ
جو اندھے ہیں ان کا عصا بن کے دیکھو
جو گمراہ ہیں راہ ان کو دکھاؤ
ہمیشہ کرو وقت کی قدر بچو!
نہ بیکار میں وقت اپنا گنواؤ
کرو کام ایسے سنور جائے دنیا
ملے سب کو راحت تم وہ کر دکھاؤ
بنو سب کی راحت رسانی کا باعث
جو معذور ہیں ان کے تم کام آؤ

■

Mahdi Partapgarhi
28, School Ward
Partapgarh - (UP)
Mob.: 9005003950

بیر بہوٹی

بسم الله عدیم برهانپوری

بسم اللّٰہ عدیم برہانپوری اردو کے بزرگ شاعر اور مصنف ہیں۔ ادبی و شعری خدمات کے عوض مختلف اعزازات و انعامات سے نوازے جاچکے ہیں۔ ملک و بیرون ملک کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ ان کی غزلیں اور نظمیں مختلف اخبارات و رسائل میں اشاعت پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ بچوں کے لیے نظمیں لکھتے ہیں جن کے دو مجموعے ’سنہرے خواب‘ اور ’تتلی کے پَر‘ کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔ ایک نعتیہ مجموعہ بھی ’جلوۂ نور‘ کے نام سے چھپ چکا ہے۔

سبز زمیں کا نرم بچھونا
چپّہ چپّہ وادی مہکے
منظر سب ہیں اُجلے اُجلے
سرخ سلونی آجا رانی
بیر بہوٹی بیر بہوٹی
دلبر تو نہ شرما جانی
کھلی فضا کا ٹانک پی لیں
آیا ’کورونا‘ ہے جو دشمن
کام کرو یہ آؤ مل کے

ڈالی ڈالی پھول کا گہنا
من کا پنچھی جھومے چہکے
برکھا رُت یہ لائی تحفے
رم جھم رم جھم برسا پانی
زیرِ زمیں سے آ بھی جلدی
مل کر ہم کھائیں گڑ دھانی
ہے جو مشکل آساں کر لیں
اس کو بھگائیں کہہ دو ڈَن
اپنی ہمت اپنے بل سے

رم جھم رم جھم چھُن چھُن چھن
جھوم کے گائے مست پون

■

Bismillah Adeem
Sant Kabeer Marg, Jawehri Wada
Mahajnapet,Burhanpur - 450331 (MP)
Mob.: 9630174593

جھولا

رونق خلیقی

جھولا جھولو، جھولا جھولیں
تم بھی جھولو، ہم بھی جھولیں
یوسف کیسے ڈول رہا ہے
ہوا میں وہ پَر تول رہا ہے
نکہت خالہ بھی آئی ہیں
چھوٹو کو بھی وہ لائی ہیں
چھوٹو ابھی تو چھوٹا ہے
جھولے میں وہ روتا ہے
پینگ بڑھاؤ گھبراتا ہے
تیز ہوا سے ڈر جاتا ہے
امی بولی دھیرے جھولو
ابو بولے دھیرے جھولو
نہیں سنو گے گر جاؤ گے
بعد میں پھر تم پچھتاؤ گے

■

Raunaque Khaliqui
C/o Jalaluddin Bharnewale
Behind Unique Medical Store
Near Do Bhai Bidi Factory ke Samne
Harirpura
Burhanpur - 450331

تبسم سحر

کتاب بولتی ہے

خوش رنگ وخوش بیاں ہوں
جذبوں کی ترجماں ہوں
میں شعلۂ تپاں ہوں
میں کار زر گراں ہوں
جو جانتے نہیں ہیں
کہتے ہیں بے زباں ہوں
پھیلاؤ دامنوں کو
میں ابر در فشاں ہوں
ہر گل عزیز مجھ کو
میں ایسی باغباں ہوں
ہوں مطربہ نرالی
ہر وقت نغمہ خواں ہوں
حق کی طرف بلاؤں
اک طرح کی اذاں ہوں
ہر علم وفن ہے مجھ میں
اک بحر بیکراں ہوں
دوں علم دوجہاں کا
دانائی دو جہاں ہوں
ہے دستیاب ہر شے
میں ایسی اک دکاں ہوں
ہر رہ سے جو ہو واقف
وہ میر کارواں ہوں
دل جیتنا سکھاؤں
جذبات کی زباں ہوں
میں حال کی حقیقت
ماضی کی داستاں ہوں
روشن نصیحتوں کے
لفظوں کی کہکشاں ہوں
عالم کی آزمائش
جاہل کا امتحاں ہوں
جو پاسباں ہیں میرے
میں ان کی پاسباں ہوں
رکھیں جو دوست مجھ کو
میں ان پہ کب گراں ہوں
ہو تشنہ لب تو آؤ
میں چشمۂ رواں ہوں
پروانے اڑ چلے ہیں
غمگیں ہوں نوحہ خواں ہوں
ہے گرچہ راہ مشکل
پھر بھی رواں دواں ہوں
کرکے سحر سے باتیں
نازاں ہوں، شاد ماں ہوں

Tabassum Sahar
Novel Heights, 12, 3rd Floor
Near Delta Royal and Datta
Mandir, Satvik Nagar,
Pakhal Road
Nashik- 422011(MS)
Mob.: 8888315125

فہیم احمد

اگر سڑک پر چلتی ریل

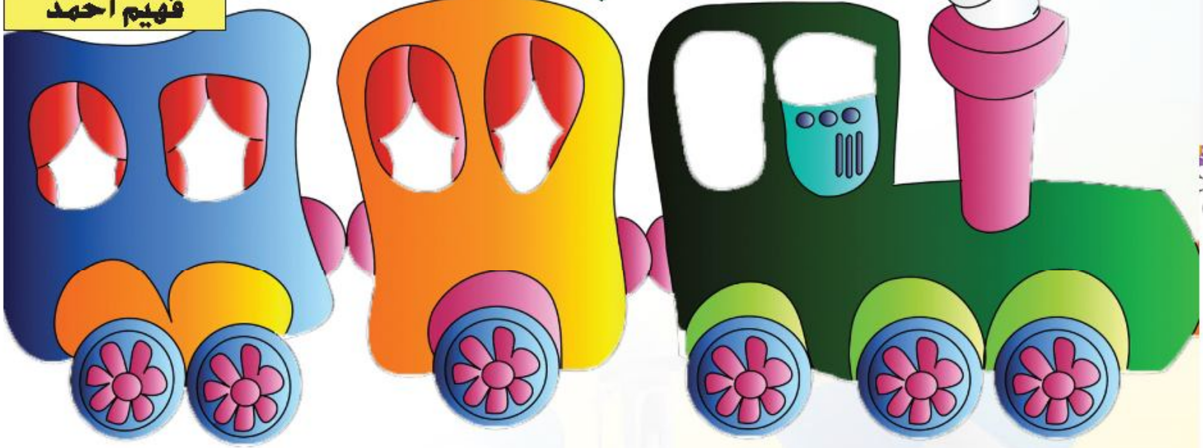

اَہا مزہ پھر کتنا آتا
اگر سڑک پر چلتی ریل
سیٹی دیتی پھر چل دیتی
سب بچوں سے کرتی میل

گلی گلی سے ہر بچے کو
لے کر جاتی وہ اسکول
ہنسی خوشی سے پڑھنا لکھنا
کبھی نہیں ہم پاتے بھول

ابو کو آفس لے جاتی
امی کو لے کر بازار
نہیں ضرورت ہوتی بس کی
نہ چلتا رکشا نہ کار

اسی ریل کے ڈبے میں پھر
پکنک اپنی ہوتی روز
ہنستے گاتے سارے ساتھی
شاہد، اکرم اور افروز

سچ مچ گر ایسا ہوجاتا
ہر گھر میں مچ جاتی دھوم
پھر تو روز ریل سے سارا
شہر مزے سے آتا گھوم

■

Dr. Faheem Ahmad
Asst. Prof., Dept of Hindi
Mahatma Gandhi Memorial (P.G.) College
Chaudhry Sarai
Sambhal - 244302 (UP)
Mob.: 8896340824

مردُلا گھئی

اڑان

کھیتوں کی
منڈیروں پر
کودتی ناچتی
بارش کی
بوندوں سے
اٹکھیلیاں کرتی
خوب اٹھاتی
پیروں سے
سُر میں
پانی چھپ چھپاتی
جھومتی مسکراتی
ساتھیوں سنگ
کھیلتی رنگ

پتّا ننّیا
بن کھوّیا
دوڑ لگاتی
جیت جاتی
تتلی پکڑ
رنگ جکڑ
سپنیں رونگتی
پورے کرتی
پھٹے کپڑے
لکڑی ٹکڑے
کترن گڑیا
گاڑی بڑھیا
اسکول جاتی
اول آتی
بڑھتا گیان
کئی ارمان
بابا فرمان
کٹا نام
گھر کام
میرا انجام

برتن بڑے
چھوٹے پڑے
ننھے ہاتھ
تڑپتے جذبات
لگتا ایسے
ماں جیسے
ہو پرائی
کرے کمائی
میں ہوئی
اس کی پرچھائی
بھائی پالوں
بہنیں پالوں
کپڑے دھوؤں
کھانا بناؤں
جھاڑو بوہار
گھر دوار
سنبھالوا ایسے
مئیاں جیسے

غلطی ہوتی
چین کھوتی
نمک زیادہ
پکا آدھا
گرتا بھائی
ہوتی پٹائی
ڈنڈے کھاتی
گلیائی جاتی
خوب روتی
بھوکی سوتی
سپنوں بن
بیتے دن

دیکھی تتلی
آہ نکلی
آشا جاگی
سرپٹ بھاگی
کھولا بستہ
نکلا رستہ
پڑھی کتاب
بُنے خواب
سب بھول
گئی اسکول

ٹیچر ہماری
بے حد پیاری
گلے لگایا
گود بٹھایا
ماتھا سہلایا
کھانا کھلایا
سمجھا درد
میری ہمدرد
گھر آئی
اماں سمجھائی
کی بھلائی
پھر چلائی
سپنا گاڑی
آنگن واڑی
چھوٹے جائیں
گنتی گائیں
کھیلیں کھائیں
گیان پائیں
اماں کمائیں
بابا کمائیں
دہاڑی جائیں
پیسے لائیں

پڑھواب
بدلا سب
سانجھ سویرے
سپنے میرے
جیونت ہوتے
ان میں کھوتے
سب مل کر
کھا پی کر
برتن دھوتے
کپڑے دھوتے
ہاتھ بٹاتے
گاتے گنگناتے
خوش حال گرہستی
ہردم مستی

تھے جو
پھر وہ
کھیت منڈیر
بارش پانی
جاگی امنگ
کھلے رنگ
پیاری مسکان
نئی اڑان

■

Mridula Ghai
B-378, Nirman Vihar, Vikas Marg
Delhi - 110092
Email.: mirul3@rediffmail.com

بہادر بچے

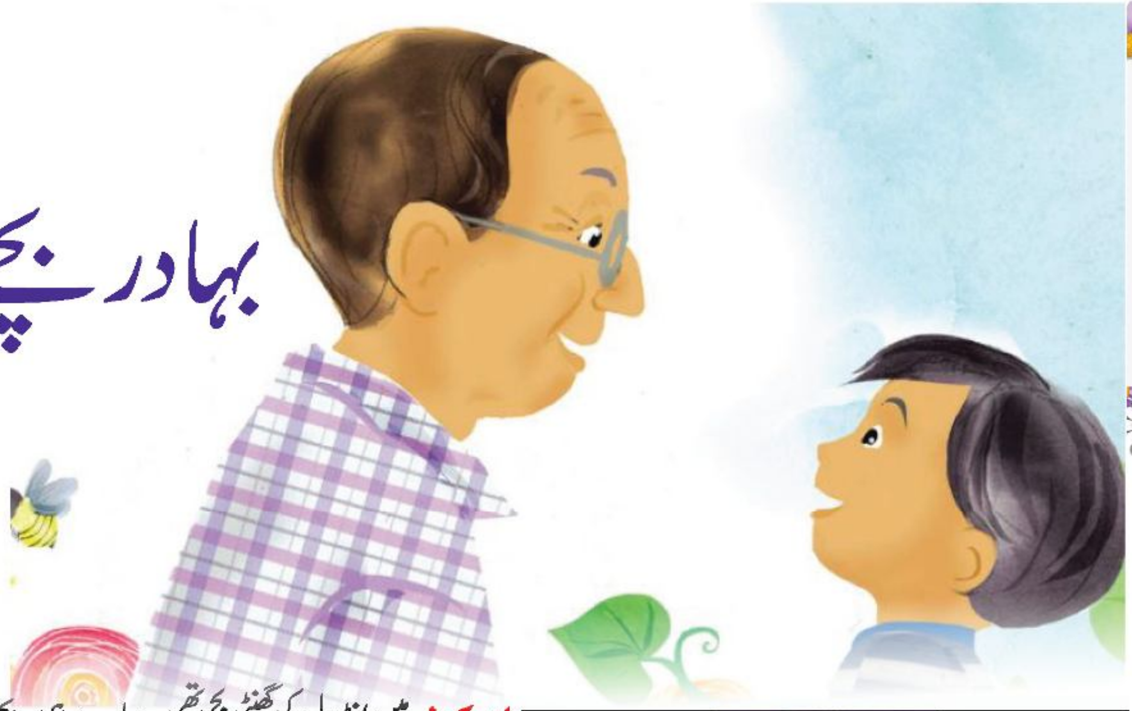

اسکول میں انٹرول کی گھنٹی بجی تھی۔ سارے ہی بچے دکان سے کھانے پینے کی چیزیں خرید رہے تھے۔ اُن کے چہروں سے بشاشت ٹپک رہی تھی، لیکن اُنھوں نے یہ دیکھا ہی نہیں تھا کہ دکان سے کچھ فاصلے پر بھولو اور اُس کے دو ساتھی چمپو اور جمپو بھی کھڑے ہیں اُن کی نظریں دکان سے سامان خریدنے والے بچوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ چمپو نے کہا، ’’بھیا جی آج تو دودھ ملائی چاکلیٹ کھانے کو دل چاہتا ہے۔‘‘

’’کھلا دیں گے۔ ذرا اسکول کے ان بچوں کو دکان سے نیچے تو آنے دے۔‘‘ بھولو نے سینہ پھلا کر کہا۔

’’اور بھیا جی مجھے چپس چاہیے۔‘‘ جمپو نے بھی فرمائش کی۔

’’چپس ہی کیا، اور بھی بہت ساری مزے مزے کی چیزیں کھلائیں گے، لیکن پہلے بولو اس گلی میں سب سے طاقتور کون ہے؟‘‘

دونوں نے ایک ساتھ کہا، ’’آپ... اور آپ ہی ہیں۔‘‘

بھولو نے فخر سے گردن اونچی کی، ’’تو پھر دیکھو آج میں تم کو کیسی کیسی اچھی چیزیں کھلاتا ہوں۔

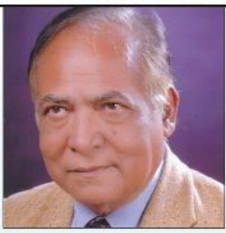

نورالحسنین

نورالحسنین کا تعلق مہاراشٹر کے شہر اورنگ آباد سے ہے۔ وہ اردو کے معروف فکشن نگار ہیں۔ ان کے ناول تلک الایام، چاند ہم سے باتیں کرتا ہے بہت مقبول ہیں۔ بچپن سے ہی بچوں کے لیے کہانیاں و ڈرامے وغیرہ لکھتے رہے ہیں۔ بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی تخلیقات مشہور رسائل ماہنامہ ’کھلونا‘، ’نور‘ وغیرہ میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ریڈیو کی ملازمت کے دوران انھوں نے بچوں کے لیے بہت کچھ لکھا اور نشر بھی کیا۔ بچوں کے لیے ان کی کتابوں میں ’گڈو میاں‘، ’چوتھا شہزادہ‘ اور ڈراموں کا ایک مجموعہ ’حضور کا اقبال بلند رہے‘ قابلِ ذکر ہیں۔

بچے دکان سے اپنی پسند کی چیزیں لے کر آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہے تھے اور بھولو اور اُس کے ساتھی اُن کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی مائیرہ اُن کے قریب پہنچی، بھولو نے گرج کر پوچھا، ''ہمارے لیے کیا لائی ؟''

مائیرہ نے ڈرتے ڈرتے اُس کی طرف دیکھا لیکن اتنی دیر میں اُس کے ہاتھوں میں سے بسکٹ کا پیکٹ اُچک لیا گیا تھا۔ وہ روتی ہوئی اپنے اسکول کی طرف بھا گی۔ زریان دودھ ملائی کا چاکلیٹ لیے جیسے اُن کے سامنے پہنچا، چمپو نے فوراً کہا، ''بھیا جی دودھ ملائی کا چاکلیٹ''

دیکھتا کیا ہے جیسے ہی چمپو نے زریان کی طرف ہاتھ بڑھایا، زریان نے اُسے اس قدر شدت سے کاٹا کہ وہ تلملا کر روتا ہوا بھولو کی طرف بھا گا۔

''ابے ڈرپوک... ایسے نہیں... ایسے اُچکتے ہیں۔'' اُس نے زریان کا چاکلیٹ چھین کر چمپو کے حوالے کر دیا۔

زریان نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر روتے ہوئے وہ بھی جانے لگا۔

آخر میں صارم، شازل اور روید بھی اپنا ٹفن باکس، چاکلیٹس اور بسکٹ کے پیکٹ بھولو کی ضرب میں آ کر اُس کے حوالے کر کے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھے سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ آخر اس روز کی آفتِ ناگہانی سے کیسے چھٹکارا پایا جا سکے۔ ٹھیک اُسی وقت زریان بھی اُن سے آملا، اُس نے اُن کے خالی ہاتھوں کو دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا، جو اُس کے ساتھ ہوا تھا۔ اُس نے کہا، ''روید بھیا اگر ہم سب مل کر اُس کا مقابلہ کریں تو؟''

''کیسے مقابلہ کریں گے؟ وہ ہم سب سے بڑا بھی تو ہے۔'' صارم کی زبان سے نکلا۔

''وہ موٹا تازہ اور طاقت ور بھی ہے۔'' شازل نے سب کی طرف دیکھا۔

''اُس کے دو لنگور بھی تو ہیں... چمپو اور جمپو...

''وہ بہت ہی ڈرپوک ہیں۔'' زریان بتانے لگا۔'' میں نے چمپو کے ہاتھ کو کاٹ لیا تھا تو وہ روتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔''

'' پھر بھی بھائی اُس کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔'' مائیرہ بھی آ کر اُن میں شامل ہو گئی۔

بہت دیر تک یہ بچے آپس میں اُس سے بچنے یا اُس کا مقابلہ کرنے کے منصوبے بناتے رہے لیکن لاکھ سوچنے پر بھی کوئی ڈھنگ کی بات ذہن میں نہ آئی۔ چھوٹے چھوٹے ذہن سوچتے بھی تو کیا سوچتے۔ اتفاق سے مائیرہ کی نظریں پیڑ کی جانب اُٹھیں اور اُس نے پیڑ پر ایک عجیب سی بات دیکھی۔ ننھی چڑیا اپنے انڈوں کو بچانے کی خاطر اپنے سے بہت بڑے کوے کا مقابلہ کر رہی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔

'' نانا جان کے پاس چلتے ہیں اور اُس کی شکایت کرتے ہیں۔'' لاچار روئید یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

'' ہاں... دادا جان اُسے ضرور سزا دیں گے۔'' شازل بھی کھڑا ہو گیا۔

'' تو پھر چلو... سوچنا کیا ہے؟'' زریان نے سب کی جانب دیکھا۔

بچوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ گھر کی طرف روانہ ہوا، چھوٹی موٹی گلیوں سے ہوتا ہوا بہت خاموشی سے چلا جا رہا تھا، روئید کو تصور میں اُس کے نانا جان دکھائی دے رہے تھے جو ہر معاملے میں اُس کی مرضی کے موافق ہو جاتے تھے۔ کچھ یہی کیفیت مائیرہ اور زریان کی بھی تھی۔ شازل اور صارم کے وہ دادا جان تھے جو اکثر ان بچوں کی خاطر اُن کے والدین کی بھی ڈانٹ ڈپٹ کر دیا کرتے تھے۔ سب کو یقین تھا کہ دادا جان اپنے

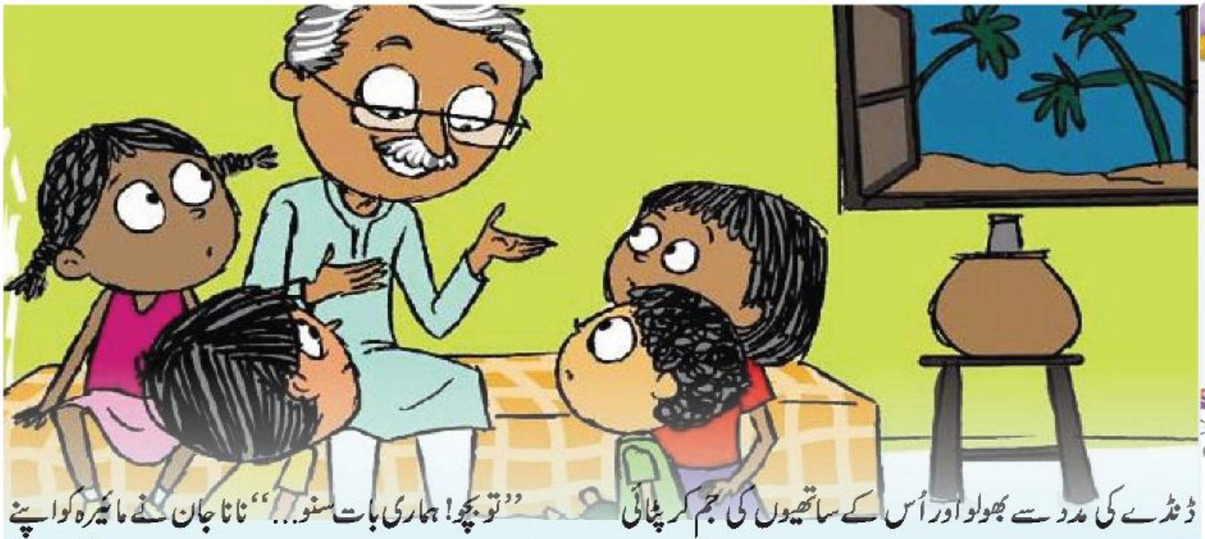

ڈنڈے کی مدد سے بھولو اور اُس کے ساتھیوں کی جم کر پٹائی کریں گے۔ اِن ہی خیالات میں ڈوبا ہوا یہ قافلہ گھر میں داخل ہوا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے کمرے میں مطالعہ کررہے ہیں۔ دروازے ہی سے ایک آواز گونجی، ’’نانا جان السلام علیکم۔‘‘

نانا جان نے کتاب سے نظریں ہٹائی ہی تھیں کہ دہلیز سے بھی ایک آواز اُٹھی، ’’دادا جان السلام علیکم۔‘‘

’’جیتے رہو میرے بچو! آج سب ایک ساتھ ہمارے کمرے میں... کیا بات ہے بچو؟‘‘

روئید میاں آگے بڑھے اور کہنا شروع کیا، ’’نانا جان اسکول کی دکان کے پاس بھولو نامی ایک موٹا تازہ، ہم سے بڑا لڑکا رہتا ہے۔ ہم انٹرول میں جو بھی کھانے پینے کی چیزیں خریدتے ہیں وہ چھین کر کھا لیتا ہے۔ نہ دیں تو مار پیٹ بھی کرتا ہے‘‘

نانا جان نے ہنکاری بھری، ’’ہوں...‘‘

’’اور دادا جان... اُس کے دو ساتھی بھی ہیں... چمپو اور جمپو۔‘‘

’’یعنی وہ تم پر ظلم کرتا ہے۔‘‘

’’جی نانا صاحب۔‘‘

’’تو بچو! ہماری بات سنو...‘‘ نانا جان نے مائیرہ کو اپنے سے قریب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا، ’’ظالم کے ظلم کو سہنا بھی اُتنا ہی بڑا گناہ ہے۔‘‘

سب بچے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، جیسے یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آئی۔

’’بھئی تمھیں خود اُس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔‘‘ دادا جان نے صارم کی آنکھوں میں دیکھا۔

’’لیکن وہ تو ہم سے بہت بڑا اور طاقت والا ہے۔‘‘

’’بچو!... ظالم ہمیشہ بڑا اور طاقت ور ہی ہوتا ہے لیکن جب سب متحد ہو کر اُس کے خلاف ڈٹ جاتے ہیں تو اُس کی ہار ہو جاتی ہے۔

زریان نے اپنے دانتوں پر انگلی پھیر کر دھار کا اندزہ کیا اور روئید کو چلنے کا اشارہ کیا۔ روئید نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا اور اُس کے پیچھے سارے بچے گھر سے باہر نکل گئے ظالم کا مقابلہ کرنے، اُن کے ہاتھ خالی تھے لیکن حوصلے کے باعث اُن کے چہرے تمتما رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھا رہے تھے۔ اُن کے دلوں سے خوف غائب تھا۔

دوسرے دن دکان سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے چمپو اور جمپو کی نظریں اُن پر پڑیں تو دونوں نے بھولو کو متوجہ کرتے

ہوئے آنے والے بچوں کی طرف اشارہ کیا، ’’بھیا جی چوزے آرہے ہیں۔ اُن کے تیور تو ذرا دیکھو؟‘‘

بھولو نے اُن کی طرف حقارت سے دیکھا اور قہقہ لگاتے ہوئے بولا، ’’بے وقوفوں... چوزے بھلا اصیل مرغ کا کیا بگاڑ لیں گے؟‘‘

’’لیکن بھیا جی...‘‘

’’لیکن ویکن کچھ نہیں۔ اس گلی کا سب سے طاقتور لڑکا کون ہے؟‘‘

’’وہ تو بھیا آپ ہی ہیں۔ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

کچھ ہی دیر میں بچوں کی یہ ٹولی اُس کے مقابل پہنچ گئی، ’’سُن بھولو...‘‘ روئید نے اُسے وارننگ دیتے ہوئے للکارا، ’’اگر تو نے اسکول کے کسی بچے کی کھانے پینے کی چیزیں چھیننے کی کوشش کی تو ہم سب تیرے کو بہت ماریں گے۔‘

’’جا چوزے...‘‘ بھولو نے پورے تمسخر کے ساتھ جواب دیا، ’’پہلے وہ منتر سیکھ کر آ کہ بلّی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔‘‘

’’ہم وہ منتر سیکھ کر ہی آئے ہیں۔‘‘ زریان نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

’’لگتا ہے تم لوگ میرے ہاتھوں پٹنا ہی چاہتے ہو۔‘‘ اُس نے سارے بچوں کی طرف دیکھا، ’’شاید تم نہیں جانتے، جس طرح شیر کے منہ سے اُس کا شکار کوئی چھین نہیں سکتا بالکل ویسے ہی مجھے میری حرکتوں سے کوئی روک نہیں سکتا۔‘‘

’’تو پھر اب تو ہی پٹنے کے لیے تیار ہو جا۔‘‘ صارم نے بڑی ہمت کے ساتھ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

روئید بھیا... بس بہت ہو گیا۔ اب شروع ہو جائیے۔

روئید نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی سمت بلند کیے اور پوری شدت کے ساتھ آواز بلند کی ’’یا اللہ مدد...‘‘

اُس کے پیچھے ہی سب کی آوازیں بلند ہوئیں، ’’یا اللہ مدد...‘‘

آسمان میں بجلی زور سے کوندی۔ اور ان بچوں کو محسوس ہوا جیسے ایک عجیب توانائی اُن کے جسم میں داخل ہو گئی ہے۔ روئید پوری طاقت کے ساتھ اُچھلا اور اُس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ زریان نے اُس کی پنڈلی میں اپنے دانت گاڑ دیئے وہ درد سے چلایا، اتنی دیر میں صارم نے اُس کے دوسرے پیر کو زور سے کھینچا اور وہ زمین پر چاروں خانے چت گر پڑا، روئید نے اُس کے گالوں پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ چمپو اور جمپو یہ منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ شازل نے پتھر اُٹھا کر جونہی اُن کی طرف دیکھا وہ دونوں گرتے پڑتے وہاں سے بھاگ نکلے تب ہی بھولو کی درد بھری آواز آئی ’’ارے میرے کو معاف کر دو۔ اب سے میں کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔‘‘

’’یہ بات دل سے کہہ رہا ہے؟‘‘ روئید نے آخری تھپڑ اُس کے گال پر رسید کیا۔

’’چاہو جیسی قسم مجھ سے کھلوالو۔‘‘ وہ گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے روئید اُس کی چھاتی پر سے اُتر گیا اور اپنا سیدھا ہاتھ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا، ’’تو پھر آج سے ہماری دوستی قبول کر لے۔‘‘ اُس نے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا اور روئید کا ہاتھ تھام لیا۔

سارے بچوں نے خوشی سے نعرہ لگایا، ’’دوستی زندہ باد...

سب کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔

اس کے بعد یہ ٹولی خوشی خوشی نانا جان کو اپنی کامیابی کی داستان سنانے روانہ ہو گئی۔

■

Noorul Hasnain
1- 12- 31. Pragati colony
Ghati. Aurangabad 431001 (M.S)

ویران قلعے کے کبوتر

محمد طارق

محمد طارق امراوتی مہاراشٹر سے تعلق رکھتے ہیں۔ طویل عرصے سے بچوں کے لیے کہانیاں، افسانے اور مضامین لکھ رہے ہیں۔ انھیں ان کی ادبی خدمات کے عوض متعدد ادبی اداروں کے ذریعے ایوارڈ سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ ان کے افسانوں اور کہانیوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں شکاری پرندے، توبہ، لاقیمت خزانہ، عینی شاہد وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعہ 'صدمہ' پر انھیں مہاراشٹر ساہتیہ اکادمی کے انعام سے نوازا جا چکا ہے۔

ایک عیش پسند شکرہ عرصے سے کبوتروں کو ہڑپ کر جانے کی فکر میں دُبلا ہوا جا رہا تھا... کبوتر کسی طرح اس کے ہاتھ نہیں لگتے تھے۔ شکرے کو دیکھتے ہی سارے کبوتر ایسے رفو چکر ہو جاتے تھے جیسے بلی کو دیکھتے ہی چوہے... اور شکرہ اپنے پنکھ سمیٹے انتہائی بے بسی سے انھیں دیکھتا رہ جاتا تھا۔

''میں کیا کروں'' شکرے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کبوتروں کے لذیذ گوشت سے اپنی بھوک کیسے مٹائے— وہ خاص طریقہ کس سے پوچھے جس میں بغیر محنت و مشقت کے وہ کبوتروں کو بآسانی ہڑپ کر سکے ''کون بتائے گا مجھے ایسا گُر—؟'' شکرہ اسی فکر میں جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا...

اس نے گِدھوں سے پوچھا... گِدھوں نے کہا ''ہم تو مردار کھانے والے ہیں، شکار کرنے کی ہمیں کیا ضرورت... تم شکاری پرندے ہو، تمھیں تو محنت کرنی ہی ہوگی۔'' گدھوں کی بات سن کر شکرہ مایوس گدھوں کے جھنڈے سے نکلا۔ پھر شیر سے ملا۔ شیر نے بھی اسے سمجھایا کہ ''تم جس پرندے کا شکار کرنا چاہتے ہو، تمھیں اس سے زیادہ تیز اڑنا ہوگا۔ اس پر جھپٹنا ہوگا۔''

''اؤں—'' شکرہ شیر کی بات سن کر 'اؤں' کہہ کر اڑ گیا اور چیتے سے ملا۔ چیتے نے بھی اسے محنت سے شکار کرنے کی نصیحت کر ڈالی— چیتے کی نصیحت کو بھی اس نے دوسرے کان سے اڑا دیا۔

پھر شکرے نے گیدڑ اور لومڑی سے ملاقات کی۔ شکار کرنے کا آسان طریقہ ان سے پوچھا۔ دونوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

بالآخر شکرہ مایوس ہو کر جنگل سے نکلا اور ایک ترقی یافتہ شہر میں پہنچا۔ شہر کی جدید تہذیب میں اسے اپنے کام کی ایسی باتیں مل گئیں کہ اس کی باچھیں کھل گئیں۔

اس نے دیکھا کہ شہر میں ہر کوئی ایک دوسرے کا بآسانی شکار کر رہا ہے۔ ہر ایک کے پاس شکار کرنے کے نت نئے طریقے ہیں۔ شکاری کے مہذب انداز، ان کی پرفریب چالیں، وعظ و نصیحت کے پھندے شکرے کو بہت بھائے۔ وہ خوشی خوشی شہر سے اڑ کر اس ویران قلعے کے اجاڑ باغ میں پہنچا جہاں بہت سارے کبوتر رہتے تھے۔

کبوتروں نے جیسے ہی شکرے کو دیکھا ہمیشہ کی طرح فوراً اڑ گئے...

شکرہ قلعے کی پتھریلی زمین پر بیٹھا نہایت پر درد آواز میں

کبوتروں کو پکارنے لگا۔ ’’میرے بھائیو! میں تمھارا دشمن نہیں ہوں، تمھیں ایک بڑے خطرے سے آگاہ کرنے بہت دور سے آیا ہوں، تمھاری ہمدردی مجھے کھینچ لائی ہے۔‘‘

اڑے ہوئے کبوتروں نے شکرے کی زبان سے جیسے ہی ’خطرہ‘ کی بات سنی فوراً اپنے پنکھ سمٹ کر قلعے کی ٹوٹی ہوئی دیوار کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔

شکرہ منڈیر پر بیٹھے کبوتروں کو دیکھ کر بے انتہا درد بھرے لہجے میں ان سے مخاطب ہوا ’’میرے عزیز بھائیو! میں خدا کا واسطہ دے کر کہہ رہا ہوں کہ میں تمھارا دشمن نہیں ہوں، میں دشمن ہوں اس شکرے کا جو تم سے جینے کا حق چھین لینے کے لیے تمھیں تلاش کر رہا ہے۔ وہ شکرا تمھاری نسل کا دشمن ہے۔ دنیا سے تمھیں مٹا دینا چاہتا ہے۔ تم پر حملہ کرنے کے لیے اس نے ایک فوج بھی تیار کر لی ہے اور خود تمھارے ٹھکانوں کی تلاش میں نکل پڑا ہے۔ میری بات کا یقین کرو میرے بھائیو! میں بظاہر شکرہ ہوں لیکن شکرے سے پہلے پرندہ ہوں ایسا پرندہ جو دنیا کے سارے پرندوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہے، کیا تم مجھے اپنا بھائی نہیں سمجھتے!‘‘

منڈیر پر بیٹھے ہوئے سارے کبوتروں کے دل شکرے کی پردرد آواز سن کر پسیج گئے۔ وہ دیوار سے اتر کر شکرے کے قریب آ گئے۔

ایک کبوتر نے پوچھا ’’ہم کیسے یقین کریں کہ تم ہمارے دشمن نہیں؟‘‘

شکرہ کبوتر کا سوال سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ توقف کے بعد لاچارگی سے بولا ’’اسی بات کا تو دکھ ہے مجھے کہ تم بھی مجھے اپنا خیر خواہ نہیں سمجھو گے!‘‘

’’تم بھی سے کیا مطلب!‘‘ ایک کبوتر نے شکرے سے پوچھا۔

’’ابھی کچھ دن پہلے... ہائے!‘‘ شکرہ آہ بھر کر کہنے لگا ’’میں ایک ایسے ہی ویران قلعے کے کبوتروں کے پاس خطرے سے آگاہ کرنے گیا تھا مگر انھوں نے میری بات پر بھروسہ نہیں کیا اور پھر کبوتروں کے دشمن نے اپنی فوج سے ان پر حملہ کر دیا۔ سارے کبوتروں کو وہ فوج نوچ پھاڑ کر کھا گئی۔‘‘

کبوتر خوفزدہ آنکھوں سے شکرے کو دیکھنے لگے.....

شکرہ کبوتروں کی آنکھوں میں خوف کے سائے دیکھ کر اندر ہی اندر خوش ہوا اور کہنے لگا ’’میرے بھائیو! میری بات پر بھروسہ کرو۔ کاش! میں تمھیں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا، میں پہلے پرندہ ہوں بعد میں شکرہ۔‘‘ یہ کہہ کر شکرہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ سارے کبوتر اسے تکنے لگے...

کچھ توقف کے بعد شکرہ کبوتروں سے ناصحانہ انداز میں مخاطب ہوا ’’میرے بھائیو! دوست، دشمن کی پہچان اس کے سلوک سے ہوتی ہے۔ اگر میں تمھارے ساتھ اچھا سلوک کروں تو تمھارا دوست اور برا سلوک کروں تو تمھارا دشمن! کیا تم بتا سکتے ہو میں ابھی کیا کر رہا ہوں؟‘‘

سارے کبوتر شکرے کی بات سن کر حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے... ایک کبوتر شکرے سے بولا ’’تم ابھی تک صرف آسمان کی طرف دیکھ رہے ہو۔‘‘

’’کیوں دیکھ رہا ہوں آسمان کی طرف... کیا تم جانتے ہو؟‘‘ شکرے نے کبوتروں سے پوچھا۔

’’نہیں ہم نہیں جانتے۔‘‘ کبوتر ایک آواز میں بولے۔

’’سنو—!‘‘ شکرہ کبوتروں کو سمجھانے لگا ’’تمھارا جانی دشمن تمھاری تلاش میں آسمان میں اڑ رہا ہے۔ وہ کسی بھی وقت اپنی فوج کے ساتھ تم پر حملہ کر دے گا۔ معتبر ذرائع سے مجھے یہ خبر مل چکی ہے۔ اسی لیے میں تمھارے پاس آیا ہوں اور آسمان میں اسے کھوج رہا ہوں، وہ میری نظروں سے نہیں بچ سکتا

کیونکہ میری نگاہیں تمھاری نگاہوں سے تیز ہیں۔''

— کبوتر شکرے کی بات سن کر بہت زیادہ گھبرا گئے۔ غٹرغوں کرنا بھول گئے۔

کچھ دیر بعد ویران قلعے کے آسمان پر کافی دور کبوتروں کو ایک پرندہ اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ کبوتر اسے پہچان نہیں پائے۔ شکرے نے اسے پہچان لیا تھا کیونکہ وہ پرندہ کوئی اور نہیں اس کا ہی ساتھی تھا۔

شکرہ آسمان میں اڑتے ہوئے اپنے ساتھی کو دیکھ کر کبوتروں سے بولا ''وہ دیکھو میرے بھائیو! جس خطرے سے آگاہ کرنے میں تمھارے پاس آیا تھا وہ ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے... اگر اس نے تمھیں دیکھ لیا تو فوراً اپنی فوج لے کر آئے گا اور تم پر ایسا حملہ کردے گا کہ تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، وہ شکرہ بہت چالاک، ہوشیار، حملہ کرنے میں ماہر ہے۔''

''ہمیں اس شکرے سے بچاؤ نا... بچاؤ نا!'' سارے کبوتر شکرے کے سامنے گڑگڑانے لگے۔

کیوں کہ ویران قلعے کے سارے کبوتر اتحاد کی طاقت بھول بیٹھے تھے۔

''ایک شرط پر!'' شکرہ کبوتروں کی گھبراہٹ کو جانچ کر بولا۔

''کون سی شرط؟'' کبوتروں نے بے تابی سے پوچھا۔

''تم مجھے اپنا بادشاہ بنا لو!'' شکرے نے کبوتروں کے سامنے شرط رکھی۔

''ہاں، ہم تمھیں اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں!'' سارے کبوتروں نے ایک آواز میں اقرار کیا ''ٹھیک ہے میرے بھائیو! تم سب نے مجھے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا ہے تو تمھاری حفاظت کرنا اب میرا فرض ہے، دیکھو! اب میں اس شکرے کو کیسا بھگاتا ہوں، اگر میری جان بھی چلی گئی تو مجھے اس کی پرواہ نہیں!''

شکرہ اپنے پنکھ کھول کر اس شکرے کی جانب اڑ گیا جو کبوتروں کی جانب آرہا تھا.....

کبوتر اطمینان سے زمین پر بیٹھے آسمان میں اڑتے ہوئے شکروں کا نظارہ کررہے تھے۔

دونوں شکرے فضا میں تیرتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آئے۔

کبوتروں کا بادشاہ اپنے ساتھی سے بولا ''میرے دوست! بہت اچھا ہوا تم آگئے۔ جاؤ، اپنے ساتھیوں کو خوش خبری سنا دو کہ کبوتروں نے مجھے اپنا بادشاہ بنا لیا ہے، اب ہم عرصے تک ان کے تازہ گوشت سے اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں، بہت سارے کبوتر اس ویران قلعے میں رہتے ہیں، جاؤ... فوراً جاؤ! اور ہاں، سنو! میں کبوتروں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے تمھارا پیچھا کروں گا تم پلٹ کر مجھ پر حملہ مت کرنا یار...!''

''نہیں میرے بھائی!'' دوسرے شکرے نے بھروسہ مند لہجے میں کہا اور تیزی سے فضا میں ایک سمت اڑنے لگا۔

وہ شکرہ حملہ کرنے کے انداز میں اس کا پیچھا کرنے لگا...

کبوتر ویران قلعے کی پتھریلی زمین پر اطمینان سے بیٹھے فضا میں ان کا تماشا دیکھ کر خوش ہونے لگے اور آپس میں کہنے لگے ''اپنا بادشاہ سچ مچ پہلے پرندہ ہے، پھر شکرہ! کتنا بہادر ہے اپنا بادشاہ! اب کوئی شکرہ ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔''

ویران قلعے کے کبوتر یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا شکار کرنے کے لیے چالباز شکرے کی یہ چال تھی۔

■

Mohd Tarique
Inamdar House, Post: Kholapur
Distt.: Amravati - 444802 (Maharashtra)
Mob.: 08055503366

افتخار انیس حمیدی

لومڑی کی آخری کہانی

یہ کہانی والی لومڑی فوکسی روز شام کو اپنے دن بھر کے حالات ایک ڈائری میں لکھتی تھی۔ اس کی ذاتی ڈائری یعنی روزنامچہ کے کچھ اوراق اس طرح ہیں:

ڈائری کے پہلے صفحے پر خوبصورتی سے اس نے اپنا نام لکھا تھا فوکسی۔ پھر لکھا تھا۔ میں ایک گھنے جنگل میں رہتی ہوں۔ اس جنگل کا نام سندرون ہے۔ یہ جنگل بہت پرانا اور بہت بڑا اور گھنا ہے اس جنگل میں شیر چیتا، ہاتھی، گینڈا اونٹ اور دوسرے جنگلی جانور اپنے اپنے ٹھکانوں میں رہتے تھے۔

اس جنگل میں ایک ندی بہتی تھی۔ اسی جنگل کے پاس ہی گاؤں سوجان پور تھا جو امروہہ شہر کے قریب تھا۔

فوکسی ایک دن لکھتی ہے ”سندرون میں خوشگوار دن تھا سندرون جنگل کے اس حصے میں ایک شیر شیرو بھی رہتا ہے۔ اس خونخوار شیر کی دہاڑ جب سارے جنگل میں گونجتی تو درختوں پر بیٹھے پرندے ڈر کر پھڑ پھڑا کر اڑ جاتے اور بندر کودتے پھاندتے دور نکل جاتے۔ اس شیر کے باپ کو چھوٹے سے خرگوش نے کنویں میں گرا کر مار دیا تھا۔

یہ شیرو روز ہی جنگل میں کسی نہ کسی جانور کا شکار کر کے کچا چبا جاتا۔ ایک دن شیرو صبح سے دوپہر تک جنگل میں ادھر سے ادھر شکار کی تلاش میں بھٹک رہا تھا کہ اچانک شیرو کی نظر ہماری کہانی والی لومڑی فوکسی پر پڑی۔ شیرو نے فوکسی پر چھلانگ لگا دی۔ اسے پکڑ ہی لیا۔ اب فوکسی نے سوچا یہ شیر تو مجھے کھا جائے گا۔ اس سے مجھے بچنا چاہیے۔ اس کو شیرو پر بہت غصہ آرہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ اچھا موقع ہے شیرو سے بدلہ لینے کا۔ مرنے سے زندہ رہنا اچھا ہے۔

اس نے شیرو سے کہا کہ ”مجھے اوپر والے نے آسمان سے نیچے بھیجا ہے اس لیے کوئی میرا شکار نہیں کر سکتا۔ تم مجھے

مت کھاؤ“

”اگر تم نے مجھے کھالیا تو تم نرک میں جاؤ گے۔“

شیرو نے کہا ”تم جھوٹ بولتی ہو۔“

فوکسی نے کہا ”تمھیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو تم میرے ساتھ جنگل میں چلو اور تم خود دیکھ لینا کہ جنگل کا ہر ایک جانور مجھ سے کتنا ڈرتا ہے اور مجھے دیکھ کر سب جانور کیسے بھاگ جاتے ہیں۔“

شیرو آج تک اپنے کو سندر ون جنگل کا راجا مانتا تھا۔ اس کو دیکھ کر سبھی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جاتے تھے۔

شیر شیرو اس کی میٹھی میٹھی باتوں میں پوری طرح پھنس گیا۔ اس نے دل میں سوچا چلو جنگل میں چل کر دیکھا جائے کہ جانور اس مریل اور معمولی سی لومڑی کو دیکھ کر کیسے ڈر کر بھاگتے ہیں؟

لومڑی سینا پھلا کر آگے آگئی اور شیر چپ چاپ پیچھے پیچھے۔ اب لومڑی جدھر سے گزرتی وہاں کے سارے جانور لومڑی کے ساتھ شیر کو دیکھ کر بھاگنے لگے۔ شیر نے جانوروں کو ڈر کر بھاگتے دیکھا تو سمجھا کہ جانور لومڑی سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔

شیر لومڑی کو آسمان سے آئی ہوئی کوئی دیوی سمجھ کر اس کو چھوڑ کر خاموشی سے واپس اپنے غار کی طرف چلا گیا۔ جب کہ سب جانور لومڑی کے پیچھے شیر کو آتا دیکھ کر بھاگ رہے تھے۔ لومڑی آگے لکھتی ہے ”اس شیر کا ایک خونخوار بھیڑیا کالیا وزیر تھا جو غصیلا اور مغرور طبیعت کا مالک تھا اور بہت چغل خور تھا۔ اس جنگل کے سارے جانور ان دونوں سے بہت ڈرتے تھے۔ خاص طور سے سے کالیا سے بہت پریشان رہتے تھے۔ یہ دونوں ہی روز ہی کسی نہ کسی جانور کا شکار کرتے اور چیر پھاڑ کر کھا جاتے۔

آہستہ آہستہ شیر بوڑھا ہونے لگا تھا۔ اس لیے بھیڑیے کا ظلم اور خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ جب تک شیر صحت مند تھا تب وہ صرف ضرورت کے مطابق شکار کرتا لیکن جب وہ بیمار رہنے لگا اور اس سے شکار نہ ہوتا تو لالچی بھیڑیے نے اس کے شکار کے انتظام کی ترکیب سوچی۔ کچھ دن بعد شیر بہت بیمار ہو گیا۔ چنانچہ کچھ جانور شیر سے ڈر کر اور کچھ اس کو خوش کرنے کے لیے عیادت کو جانے لگے۔ اس عیادت کا ایک وقت مقرر کیا گیا تھا۔ سب ہی جانور طے وقت کے اندر دیکھنے جانے لگے۔ شیر ان جانوروں کا شکار کرتا اور اپنی بھوک مٹاتا۔ ایک دن لومڑی بھی عیادت کے لیے گئی۔ مگر وہ مقررہ وقت پر نہیں پہنچ سکی۔ جب وہ شیر کے سامنے پہنچی تو وزیر بھیڑیا کالیا شیر کے بہت قریب سرہانے ہی بیٹھا تھا۔

اس سے پہلے کہ شیر فوکسی سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھتا اس بھیڑیے نے خوف ناک آواز میں اس سے دیر سے آنے وجہ پوچھی ”تم کو ملنے کے اوقات نہیں معلوم! دیر کیوں ؟ کیسے؟ اور کہاں ہوئی“ لومڑی پہلے سے جانتی تھی کہ ایسا سوال پوچھا جا سکتا ہے۔ اس لیے لومڑی نے شیر سے مخاطب ہو کر کہا ”مہاراج! میں آپ کی بیماری کا علاج جنگل کے حکیم اونٹ کیمل سے معلوم کرنے گئی تھی۔ شیر نے کہا ”اچھا! تو میری بیماری کا علاج ہے؟ دوا کیا ہے؟ جلدی سے بتاؤ۔ میری تو جان نکلی جا رہی ہے۔“ لومڑی نے کہا ”جی! حکیم جی نے کہا ہے کہ آپ کی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے آپ کی دوا ایک بھیڑیے کا تازہ خون ہے جو آپ کے لیے بہت ہی مفید ہے جس کی آپ کو بے حد ضرورت ہے۔“ اتنا سنتے ہی شیر نے بھیڑیے پر چھلانگ لگا دی اور ایک ہی جھٹکے میں بھیڑیے کا کام تمام کر دیا۔ بھیڑیا مر گیا یہ خبر جنگل کی آگ طرح پھیل گئی۔ جنگل کے سارے جانوروں نے لومڑی کا شکریہ ادا کیا۔

شیر بوڑھا اور کمزور ہوگیا تھا۔ ایک دن وہ بھوک سے بے حال تھا۔ آج اس کو کوئی شکار ہاتھ نہیں لگا تھا۔ اتفاق سے فوکسی اس کے غار کے پاس سے گزر رہی تھی۔ شیر و نے اس کی آہٹ سن لی۔ وہ بڑی ہی مکاری سے بولا ''تم غار سے باہر کیوں کھڑی ہو، اندر آجاو مجھے جنگل کا حال احوال سناؤ آج کل جنگل میں کیا چل رہا ہے؟'' فوکسی نے چالاکی سے جواب دیا ''مہاراج کی جے ہو! نہیں میں اندر نہیں آسکتی مجھے غار کے باہر اندر جانے والے جانوروں کے قدموں کے نشان تو دکھائی دے رہے ہیں مگر واپس باہر کوئی نہیں آیا۔'' یہ کہہ کر فوکسی اپنی خیر مناتی ہوئی چلی گئی اور شیر بھوک سے مر گیا۔

روز کی طرح ایک دن فوکسی نے ڈائری میں لکھا۔

اسی جنگل میں ہر طرف ہری ہری نرم نرم گھاس تھی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اس جنگل میں ایک سفید سارس کرینی بھی رہتا تھا۔ وہ بہت سیدھا سادا اور بھولا بھالا تھا۔

فوکسی کی کسی طرح دوستی سارس کرینی سے ہوگئی دونوں جنگل میں ساتھ گھومتے۔

ایک دن دوستی کے نام فوکسی نے کرینی کو شام کے کھانے کے لیے ڈنر پر دعوت دی۔ طے شدہ وقت پر کرینی فوکسی کے غار تک پہنچ گیا۔ مکار چالاک فوکسی نے کھانے میں پتلا سوپ پلیٹ میں رکھا سوپ پتلا ہونے کی وجہ سے پھیل گیا۔ پھر فوکسی نے کرینی سے کہا ''شروع کرو بھائی۔ لومڑی اس تھالی میں آرام سے آسانی سے شوربہ چاٹ سکتی تھی۔ لومڑی سارا شوربا چٹ کر گئی۔ کرینی نے پلیٹ میں رکھے سوپ کو کھانے کی بہت کوشش کی لمبی چونچ کی وجہ سے پلیٹ میں ٹھونگیں مارتا رہا اور وہ سوپ نہیں کھا سکا۔ وہ بھوکا رہ گیا۔ کرینی بھوکا ہی اپنے گھر کو چلا گیا۔ اس نے بھی اس سے بدلا لینے کی ایک ترکیب سوچی۔

فوکسی آگے لکھتی ہے'' کرینی نے بھی ایک دن فوکسی کو لنچ پر دعوت دی۔ فوکسی کرینی کے گھونسلے کے پاس پہنچ گئی۔ کرینی نے دوپہر کے کھانے کو دو صراحیوں میں سوپ رکھا تھا۔ کرینی نے فوکسی سے کہا کہ ''آآ! بہن کھانا شروع کیا جائے۔'' صراحی کی پتلی گردن میں لومڑی فوکسی کا منہ نہیں جا سکا۔ کافی کوشش کے بعد فوکسی بھی بھوکی رہ گئی اور ہار مان کر اپنے غار کی طرف واپس چلی گئی اور کرینی سے دوستی ٹوٹ گئی۔

اگلے دن لکھا'' میں فوکسی لومڑی، روز کی طرح آج صبح ہی جنگل میں اپنے کھانے کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہی تھی تب مجھے ادھر سے کوکی مرغی چیختی ہوئی آتی ہوئی دکھائی دی وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ ''آسمان گرا! آسمان گرا'' اس کے ساتھ ڈکی بطخ بھی بدحواس ڈری سہمی اور بہت گھبرائی ہوئی بھاگ رہی تھی وہ بھی چیخ رہی تھی۔ ''آسمان گرا؛ آسمان گرا..'' میں (ہماری کہانی والی لومڑی) فوکسی بھی بہت ڈر گئی اور سہم کر ان دونوں کے پاس گئی۔ ان سے ماجرہ پوچھا ''بھئی کیا ہوا؟ آپ لوگ کیوں چیخ رہے ہو؟'' معلوم ہوا کہ جب کوکی مرغی اخروٹ کے پیڑے کے نیچے روز کی طرح دانہ تنکا کی تلاش کر رہی تھی تب پیڑ سے اخروٹ اس کے سر پر زور سے گرا۔ وہ ڈر گئی اور سمجھی کہ آسمان گر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ڈکی بطخ بھی بدھو بن گئی۔

اگلی تاریخ میں لکھا تھا لومڑی فوکسی بھوکی پیاسی تھی اور وہ اپنے کھانے پینے کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہی تھی۔ گھومتے گھومتے وہ اپنے غار سے کافی دور نکل گئی۔ ادھر پیڑ بہت سے کچے پھلوں سے لدے تھے۔ جو اس کی پہنچ سے کافی اونچے تھے۔

مگر اس کو کھانے پینے کو کچھ نہیں ملا۔ آج قسمت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کافی دور چلنے کے بعد اس کو گڈھا

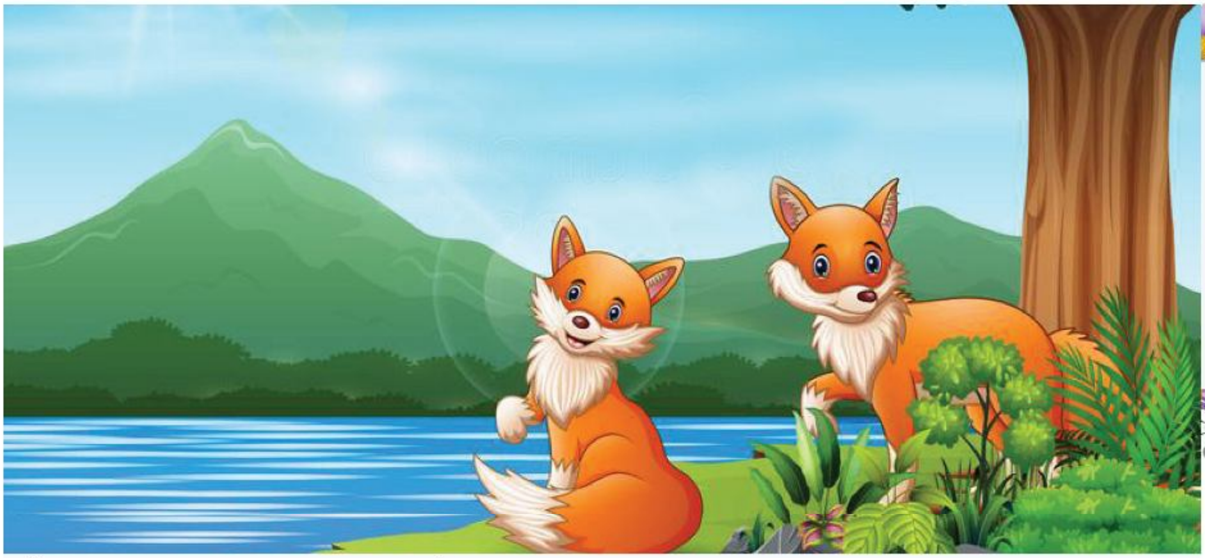

دکھائی دیا اس گڈھے میں تھوڑا پانی تھا۔ آگے لکھا ہے۔ وہ پانی پینے چاہتی تھی وہ اس گڈھے کے پاس پہنچ گئی مگر اتفاق سے وہ اس گڈھے میں گر گئی۔ وہاں اس نے خوب پیٹ بھر کر پانی تو پی لیا مگر وہ ایک مصیبت میں پھنس گئی اس کو کافی چوٹیں آئیں۔ وہ درد سے کراہ رہی تھی۔ فوکسی نے اس گڈھے سے نکلنے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے کافی محنت مشقت اور کوشش کی۔ اس نے زور زور سے چیخنا شروع کیا ’’کوئی ہے؟ ارے کوئی ہے؟‘‘ مگر وہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ اس کی ساری محنت بیکار گئی وہ گڈھے سے باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

اتنے میں ایک بکری گوٹی جو اسی سندروں میں رہتی ہے وہ بھی روز کی طرح اپنے کھانے کی تلاش میں گھوم رہی تھی۔

وہ چرتے چرتے جنگل کے اس حصے میں آنکلی جہاں فوکسی کنویں میں گر گئی تھی۔

گوٹی کو فوکسی کی آواز سنائی دی۔ اس نے فوکسی کو گڑھے میں کھڑا دیکھا تو اس کو فوکسی پر بہت ترس آیا۔ گوٹی نے اس سے ماجرہ پوچھا ’’کیا ہوا بہن؟ تم اس گڑھے میں کیا کر رہی ہو؟‘‘

سب پرانی پنچ تنتر کہانیوں کی طرح یہ فوکسی بھی بہت ہی مکار اور چالاک تھی۔ وہ گڈھے سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہی تھی اس فوکسی کی قسمت سے یہ نادان بیچاری اور اس لومڑی کی چالاکی سے انجان گوٹی خود اس فوکسی کے بہت قریب چلی گئی۔ اس گوٹی کو دیکھ کر فوکسی گڈھے سے باہر نکلنے کی ترکیب سوچنے لگی۔ اس چالاک اور مکار چالباز فوکسی نے اس معصوم گوٹی سے کہا ’’ارے بہن! یہ گڈھا جنت کا کنواں ہے اس گڈھے کا پانی آب حیات ہے۔ جو کوئی اس گڑھے کا پانی پی لے گا وہ امر ہو جائے گا۔ بہت اچھا ہوا کہ تم آ گئیں۔ تم بہت نصیب والی ہو۔ تم بھی اس آب حیات کو پی لو اور زندگی کے مزے لو۔ اب زیادہ سوچو مت کوئی دوسرا جانور ادھر آ گیا تو تم یہ موقع کھو دو گی اس لیے انتظار میں وقت مت گنواؤ۔ اب تم اور دیر نہ کرو اور تم اس گڈھے میں نیچے اتر آؤ۔

اس چالاک مکار لومڑی فوکسی کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی اور اس کے بچھائے جال میں پھنس گئی۔ گوٹی نے بغیر وقت گنوائے اس گہرے گڈھے میں چھلانگ لگا دی۔ گوٹی کے گڈھے میں آ جانے سے فوکسی دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی اور اس نے گوٹی سے کہا ’’اچھا ہوا بہن! کہ تم یہاں آ گئیں تم آرام سے جب تک چاہو تب تک جی بھر پانی پیو۔ اب میں

چلتی ہوں مجھے بہت دیر ہوگئی'' اور یہ کہ کر فوکسی گوٹی کے اوپر چڑھ کر گڈھے سے باہر نکل گئی۔ ادھر اس بیوقوف گوٹی نے خوب پانی پیا اور گڈھے میں ہی بھوکی پیاسی کچھ دن بعد مر گئی۔

فوکسی گڈھے سے نکل کر چلتے چلتے انگوروں کے بغیچہ میں پہنچ گئی۔ وہاں انگوروں سے لدی بیلیں تھیں ان بیلوں کو دیکھ کر فوکسی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس کی بھوک بھی زیادہ تیز ہوگئی۔ فوکسی جلدی جلدی انگوروں کی بیلوں کی طرف بھاگی اور گچھوں کے بالکل نیچے پہنچ گئی۔ وہ بھوکی تو تھی ہی۔ انگوروں کے گچھے بیلوں پر اس کی پہنچ سے بہت زیادہ اونچے لگے تھے۔ مگر کافی دیر محنت مشقت کے بعد بھی اس کے ہاتھ ایک بھی انگور نہیں لگا۔ تھک ہار کے وہ اپنا سا منہ لے کر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی ''انگور کھٹے ہیں''

تب سے ہی یہ ایک محاورہ بن گیا انگور کھٹے ہونا۔ فوکسی ابھی کچھ دور ہی چلی ہوگی کہ اتفاق سے اس کو نیم کے ایک پیڑ پر ایک کوا ایک روٹی کا ٹکڑا لیے پیڑ کی اونچی ڈال پر بیٹھا دکھائی دیا۔

کاگا بھی بھوکا پیاسا تھا وہ صبح سے جنگل میں ادھر سے ادھر اڑ رہا تھا۔ تبھی اس کو قصبہ عزیز پور میں کسی گھر میں ایک گھڑا دکھائی دیا۔ وہ گھڑے کے پاس پہنچا اور پانی پینا چاہا مگر گھڑے میں پانی بہت کم تھا۔ پانی تک اس کی چونچ نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ مگر اس نے ہار نہیں مانی اس نے ادھر ادھر دیکھا اس کو وہاں پڑے کچھ کنکڑ دکھائی دیے۔ وہ ایک ایک کنکڑ اٹھا کر گھڑے میں ڈالنے لگا۔ ایسا کرنے پر پانی گھڑے میں اوپر تک آ گیا۔ کوّے نے پانی پیا اور اڑ گیا۔ اڑتے اڑتے جنگل کے قریب ایک دوسرے گاؤں کی طرف نکل گیا۔ اس گاوں میں ایک بچہ گولو ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لیے دکھائی دیا۔ کوے نے پلک جھپکتے ہی جھپٹا مارا اور بچے کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا لے کر اڑ گیا بچہ روتا رہ گیا اور اس بچے کی ماں چاندنی بھی دیکھتی رہ گئی۔ اڑتے اڑتے وہ ایک نیم کے پیڑ کی ڈال پر بیٹھ گیا اور اس روٹی کے ٹکڑے کو کھانے والا تھا تب تک شام ہو رہی تھی کہ تبھی یہ کہانی والی لومڑی فوکسی کھانے کی تلاش میں وہاں پہنچ گئی۔ کوے پر اس مکار اور چالاک فوکسی کی نظر پڑی۔ اس کی روٹی کے ٹکڑے لینے کی کوئی چال سوچی۔ وہ کوے سے بولی ''بھائی آپ کیسے ہیں؟ میرا نام فوکسی ہے۔ آپ کی آواز سنے بہت زمانہ ہو گیا۔ آپ کی آواز بہت میٹھی ہے آپ بہت ہی اچھا گانا گاتے ہیں۔ آپ ایک اچھا اور میٹھا گانا سنا دو۔ میری ساری تھکن ختم ہو جائے گی'' کوا بھی سیانا مکار اور چالاک تھا؛ اس نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔

وہ فوکسی کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آیا۔ اس نے فوکسی کی کسی بات پر کان نہیں دھرے، ایک کان سے سنی اور دوسرے کان سے نکال دی۔ اس نے اطمینان کے ساتھ روٹی کا ٹکڑا کھا لیا۔ روٹی کھا چکنے کے بعد وہ ایک پرانا میٹھا گانا سنا کر اڑ گیا۔

کہانی والی لومڑی فوکسی کا غصے سے برا حال تھا۔

وہ دن بھر کی بھوکی پیاسی تھی اس کو کوئی شکار بھی ہاتھ نہ لگا تھا۔ رات ہونے سے پہلے وہ اپنا سا منہ لیے سندرون میں اپنی غار کو واپس ہوگئی۔ اور اپنی ڈائری پر دن بھر کے سارے حالات تفصیل سے لکھ لیے۔

(جون 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف ملاحظہ فرمائیں۔)

■

Dr. Iftekhar Anees Hameedi
196, Chilla
Amroha- 244221
Mob.: 9719308437/8077182557

وقت کی چوری

سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں۔ ادب اطفال سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور ملک و بیرون کے رسائل و مجلّات میں بچوں کے ادیبوں اور شاعروں پر ان کے تحقیقی و تجزیاتی مضامین تسلسل سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ادب اطفال سے متعلق ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں بچوں کا ادب اور اخلاق، بچوں کی باتیں، بچوں کے ادب کی تاریخ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

آج کا دن بچوں کے لیے بہت یادگار دن تھا، آج مدرسے کے سارے بچے خوش خوش نظر آرہے تھے، ان کا سالانہ امتحان مکمل ہو چکا تھا، امتحان کا بوجھ سر سے اترنے اور ہاسٹل سے اپنے اپنے گھروں کو جانے کی خوشی میں وہ پھولے نہیں سما رہے تھے، صبح کا ناشتہ کر کے وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق اور کھیل کود میں مصروف تھے، تھوڑی ہی دیر میں مدرسے کا سالانہ جلسہ شروع ہونے والا تھا، جس میں چند بچوں کو تقریری و تحریری مظاہرہ بھی کرنا تھا، اور جلسے کے اختتام پر دوپہر کے کھانے سے انھیں لطف اندوز بھی ہونا تھا، باورچی خانے سے بریانی اور ڈبل کے میٹھے کی خوش بو بچوں کی خوشیوں میں مزید اضافہ کر رہی تھی، اور اب وہ اٹھلاتے، خراماں خراماں اور کشاں کشاں جلسہ گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

بچوں کے پروگرام کی کارروائی بچوں کی انجمن الفلاح کے ناظم میاں مظفر نے شروع کی، جو بچوں میں بہت مقبول

تھے، اور جسے ہم مذاق میں سیکولر نیتا کہا کرتے تھے، میاں مظفر، اونچی جماعت کے طلبہ اور اساتذہ کرام نے بڑی محنت اور شفقت سے بچوں کو تیار کیا تھا، بچوں نے دھواں دھار تقریریں کیں، عمدہ مضامین و مقالات پڑھے، حمد، نعت، قرأت اور تعلیمی ڈرامے بہت سلیقے سے پیش کیے۔

سب سے آخر میں مدرسے کے ناظم صاحب مائک پر جلوہ افروز ہوئے، انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں بچوں کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لیا، نصاب کی تکمیل اور امتحان میں بچوں کے بہتر مظاہرے پر اطمینان کا اظہار کیا، اس کے ساتھ ہی انھوں نے طلبہ کو غیر نصابی کتب اور اخبار و رسائل کے مطالعے اور مضامین و کہانیاں لکھنے کے لیے وقت نکالنے بلکہ اس کے لیے تھوڑی چوری کی ترغیب دی۔

چوری کا نام سنتے ہی بچے چونک پڑے کہ آج ناظم صاحب کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہمیں چوری سکھا رہے ہیں۔ انھوں نے مزید وضاحت کی: بچو! چوری بہت بری چیز ہے، لیکن آج میں تمھیں ایک ایسی چوری بتاؤں گا جو ہرگز بری نہیں ہے، اس چوری کے ذریعے تمھاری شخصیت میں چار چاند لگ جائیں گے، تمھارا نام روشن ہو گا، تم دنیا کے بڑے آدمیوں میں شمار کیے جاؤ گے، اور وہ ہے وقت کی چوری۔

تم درسی کتابوں، کھیل کود، فضول دوستی اور مٹر گشتی سے تھوڑے وقت چرا کر اگر کتب خانے کے کتب و رسائل اور اخبارات کے مطالعے میں صرف کرو گے، اور اپنے مطالعے کی روشنی میں مضامین اور کہانیاں وغیرہ تحریر کرو گے تو تمھارا شمار مصنّفین اور اہلِ قلم میں ہو گا، اور ایک دن تم بڑے مصنّف، مترجم، محقق، شاعر، ادیب، فلسفی اور قائد و مفکر کی حیثیت سے یاد کیے جاؤ گے۔ ناظم صاحب نے عبد الماجد دریا آبادی اور جوش ملیح آبادی جیسے ادیب و شاعر کی مثال دی، جو اسی طرح چوری چھپے درسی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابیں اور رسالے پڑھتے تھے اور لکھنے کی مشق کرتے تھے۔

آج تمھارے والدین اور اساتذہ کو صرف تمھارے پاس ہونے کی فکر ہے، اگر تم پاس نہیں ہوئے تو ان کی بے عزتی ہوگی، اس لیے وہ تمھیں ہر وقت درسی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیں گے، لیکن یاد رکھو! امتحان میں پاس ہونا اور مضامین کو سمجھنا دو الگ الگ چیزیں ہیں، ایک بچہ اگر امتحان میں 95-90

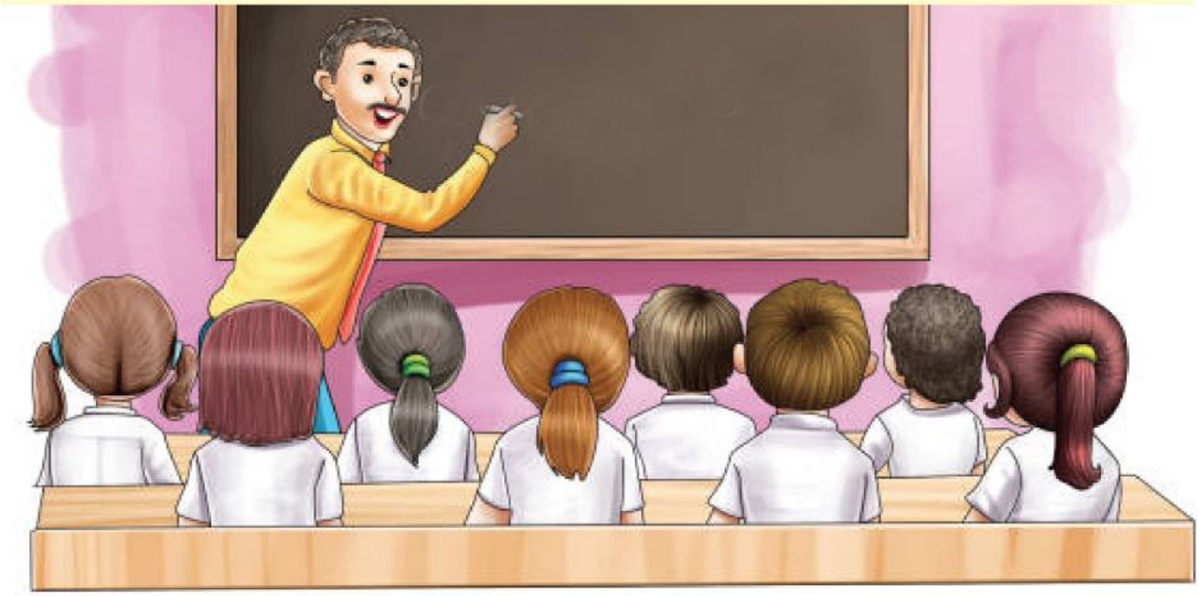

فیصد نشانات حاصل کرتا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو تمام مضامین پر عبور حاصل ہے، ہوسکتا ہے کہ اس نے محض رٹ کر امتحان دیا ہو۔

اس کے برخلاف جس بچے نے رٹنے کے بجائے سمجھ کر اپنے الفاظ میں امتحان کے پرچے حل کیے ہوں، ہوسکتا ہے کہ اس کو امتحان میں کم نمبرات حاصل ہوئے ہوں، لیکن ایسا بچہ آگے چل کر بہت ترقی کر جائے گا۔

اپنے الفاظ میں امتحانی پرچے تحریر کرنے کے لیے خود سے لکھنے کی مشق ضروری ہے، اور یہ مشق مضمون نویسی، کہانی و نظم نویسی، ڈرامے، تقریر اور مباحثے کے مقابلوں میں حصہ لینے اور اپنے طور پر مضامین اور کہانیاں وغیرہ لکھنے کی مشق اور اصلاح سے حاصل ہوتی ہے۔

آج بچے امتحان کا نام سنتے ہی گھبرا جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ مضمون کو سمجھ کر اپنے طور پر لکھنے کے بجائے رٹ کر امتحان دیتے ہیں، اور امتحان ہال میں مارے ڈر کے بھول جاتے ہیں، اور کسی طرح الٹا سیدھا لکھ کر پاس ہو جاتے ہیں، مگر جو بچے خود سے مضمون اور کہانیاں لکھنے کے عادی ہوتے ہیں، وہ بڑے سے بڑے امتحان میں بھی شرکت کرنے سے نہیں گھبراتے، اور ہمیشہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوتے ہیں۔

حضرت ناظم صاحب نے بچوں سے عہد لیا کہ وہ آئندہ تعلیمی سال سے صرف رٹ کر امتحان نہیں دیں گے، بلکہ خود ہی سے امتحان میں سوالات کے جوابات تحریر کریں گے، اور اس کے لیے درسی کتابوں کے علاوہ معاون درسی کتب، ادبی کتب و رسائل اور اخبارات کا مطالعہ ضرور کریں گے، اور اس کے لیے اپنے نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) میں سے تھوڑا وقت چوری کریں گے، اور مطالعہ کریں گے۔

چھٹیوں میں گھر جانے کے بعد اکثر بچوں نے ناظم صاحب کی نصیحتوں کو بھلا دیا، لیکن کئی ہونہار اور لائق بچوں نے نئے تعلیمی سال سے ناظم صاحب کے عہد پر عمل کیا، انھوں نے امتحان میں پچھلے سال کے مقابل اچھے نمبرات حاصل کیے۔ ان کو لائبریری کی کتب و رسائل میں طرح طرح کے موضوعات پر دلچسپ مضامین، کہانیاں، ناول، ڈرامے اور شاعری پڑھ کر بہت مزہ آنے لگا، وہ رات کے بارہ بجے تک لائبریری میں رہتے اور چھٹیوں کے دنوں میں پورا دن مطالعہ کرنے یا لکھنے میں مصروف رہنے لگے، دوسرے بچے ان کو کتاب کا کیڑا کہہ کر چڑھانے لگے، جب کہ وہ مدرسے کے دیواری جریدوں (Wall Magazines) اور شہر کے اخبارات و رسائل میں اپنے مضامین اور کہانیاں دیکھ کر کافی خوش ہوتے، اور اچھے سے اچھے رسائل میں اپنی تحریریں چھپوانے کی خاطر چھٹیوں کے دنوں میں بھی زیادہ تر لکھنے پڑھنے میں وقت گزارتے۔ کسی نے سچ کہا ہے: ''اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا۔''

مدرسے کے ناظم صاحب چوں کہ خود مشہور کالم نگار اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، وہ اپنے مدرسے کے لائق فرزندوں کی تحریریں اخبارات و رسائل میں دیکھ کر ان بچوں سے بہت خوش رہنے لگے، اور ان کے لیے خصوصی وظیفہ مقرر فرمایا۔ ناظم صاحب کی بات بالکل صحیح نکلی، آج ان بچوں میں کوئی صحافی ہے، کوئی مصنف، کوئی پروفیسر، کوئی رفاہی خدمت گار ہے، کوئی عوامی قائد ہے، تو کوئی شعلہ بیان مقرر و خطیب ہے، اور کوئی اسکولوں، مدرسوں، یتیم خانوں اور رفاہی اداروں کا بانی و ناظم ہے۔

■

Dr.Syed Asrarul Haque
Asst.Professor & HOD Urdu
Govt. Degree & P G College
Siddipet-502103 (Telangana)

زیب النسا

کالے چشمے کا راز

گومتی ندی کے کنارے آمنہ بی کالا چشمہ پہنے بیٹھی کسی سوچ میں مگن تھیں۔ تبھی وہاں سے گزرتے کچھ شرارتی لڑکوں نے انھیں دیکھ کر فقرہ کسا ”اماں جی! فیشن کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ آپ اس عمر میں.....!“

لڑکے اپنی بات پوری کر بھی نہ پائے تھے کہ آمنہ بی نے آنکھوں پر لگے چشمے کو اتارا اور بھرائے گلے سے بولیں ”نادان بچو! کسی کو کچھ کہنے سے پہلے ایک بار سوچ لیا کرو اور اگر نہ سوچو تو اس حدیث کو ضرور اپنے دل پر لکھ لو تاکہ پھر کبھی ایسا لمحہ آجائے تو تمھیں دل پر لکھا یاد آجائے۔ اس کے بعد تمھارے منہ سے لفظ نہ نکلیں۔“

آمنہ بی کی بات ختم ہوئی تبھی ان لڑکوں میں سے ایک لڑکا آگے بڑھ کر بولا ”آپ ہمیں معاف کر دیجیے ہم غلطی پر تھے۔“

لڑکے کی بات سن کر آمنہ بی مسکرا دیں اور پھر وہاں سے اٹھ کر جانے لگیں۔ دو چار قدم ہی آگے بڑھی تھیں کہ پیچھے سے آواز آئی ”رک جایئے۔ ہمیں آپ سے کچھ پوچھنا تھا جو ہمارے مذاق کی وجہ سے ہماری پشیمانی بن گیا۔“

ان کی پکار پر اب آمنہ بی نے اپنے بڑھتے قدموں کو روک لیا اور واپس ٹھیک اسی جگہ پھر آبیٹھیں مگر اس دفعہ انھوں نے اپنے چہرے پر لگے چشمے کو اتار لیا تھا۔ وہ لڑکے قریب آئے اور بڑے ادب سے بولے ”ہمیں یہ پوچھنا ہے کہ آپ تنہا یہاں کیوں بیٹھی تھیں؟ اوپر سے کالا چشمہ پہنے، جب کہ موسم بھی اچھا ہے۔ دور دور تک دھوپ کا نام ونشان بھی نہیں۔“

”اوہ... تو تم کو کالے چشمے کے بارے میں جاننا ہے۔ تو سنو! بدلتے زمانے میں جب سارا عالم ہی ایک عجیب و غریب موڑ پر آ کھڑا ہوا ہے تو رشتوں کے ترازو میں سب کی محبت تلنے لگی۔ اب یہ کام اپنے گھر میں ممکن نہیں تھا۔ سوچا کسی سکون کی جگہ پر چل کر بیٹھا جائے۔ یہاں آ کر بیٹھی۔ دل کے ترازو میں سب کی محبت کی ناپ تول کی تو جواب صفر رہا، دل ٹوٹا، احساس کی ڈور نے اپنی گرہ کھول دی اور میں خود ہی اپنے ٹوٹے دل کے ٹکڑے یہ سوچ کر سمیٹنے لگی کہ شیشہ ٹوٹے غل مچ جائے۔ دل ٹوٹے آواز نہ آئے۔“

یہ کہتے ہوئے آمنہ بی نے ایک گہری سانس لی اور باتوں کا سلسلہ برقرار رکھتے ہوئے بولیں ”اب سنو! کالے

چشمے کا راز۔"

"ہاں ہاں بتائیے۔ یہی جاننے کے لیے تو ہم نے آپ کو روکا تھا۔" سب ایک ساتھ بول پڑے۔

"کالا چشمہ! اُف...! کیسا سوال ہے؟ مگر آج میں اس کا جواب ضرور دوں گی۔" یہ کہہ کر آمنہ بی نے ندی میں اٹھتی لہروں کو دیکھا اور دکھی دل سے کہنا شروع کیا "میں نے کالا چشمہ اس لیے پہنا تا کہ سب طرف اندھیرا نظر آئے۔ کچھ دھندلا سا اور کالا سا، کیونکہ روشنی میں ہر اس سچ سے پردہ اٹھ جاتا ہے جو انسان چھپاتا ہے۔ روشنی بنی ہی اس لیے ہے کہ انسان کا اصل نظر آئے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" ان میں سے ایک لڑکا بولا تو آمنہ بی نے کہا "میری باتوں کو شاید تم ابھی نہ سمجھو۔ مگر جب تم میری عمر کو پہنچو گے تو یہی کہو گے صحیح ہوتا ہے کالا چشمہ۔"

آمنہ بی کی بات سن کر اب تو نہ پوچھیے۔ سب کے سب سوچ میں پڑ گئے۔ بہر حال، وہ سوچ میں ڈوبے تھے۔ ادھر آمنہ بی دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں کہ کاش! آج کی یہ نئی نسل یہ جان پاتی کہ ہم وہ درخت ہیں جن کی چھاؤں تلے ان کا بچپن بیتا ہے۔ ہمارے بازوؤں کے سہارے یہ چلنا سیکھتے ہیں۔ چوٹ انھیں لگتی ہے درد ہمیں ہوتا ہے، مگر زمانے کی تیز رفتار نے ہر رشتے کو تمام فرائض سے غافل کر دیا ہے۔ دھند میں کہیں کھو گئی ہے ان کی وہ تہذیب و تمیز، بھول گئے بزرگوں کی عزت کرنا، ایک وہ زمانہ تھا کہ جب بڑوں کی آمد پر چھوٹے ان کے احترام میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور آج وہ زمانہ ہے جب چھوٹے بڑوں کو دھکا دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ان بچوں نے آج میرے کالے چشمے کا راز تو جان لیا مگر ان سے ایک سچ میں نے چھپا لیا۔ وہ یہ کہ میں بھرے گھر میں بھی تنہائی میں جی رہی ہوں۔ کسی کے پاس میرے لیے ذرا بھی وقت نہیں ہے۔ شاید قصور ان کا نہیں بلکہ نئی چیزوں کی چمک دمک نے رشتوں کو اتنا کمزور کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے وقت نکالنا ان کے لیے تقریباً ختم سا ہی ہو گیا ہے۔ یہاں سب سے بڑی مثال موبائل کو ہی لیجیے۔ اس میں ہر رشتہ اس قدر مصروف ہو گیا ہے کہ اب انھیں یہ بھی احساس نہیں رہا کہ بزرگوں کے بھی کچھ جذبات و احساسات ہوتے ہیں۔ عمر کے آخری پڑاؤ پر ان کو صرف پیار محبت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے ان کے ساتھ وقت گزاریں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر ان سے باتیں کریں۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھیں، بوڑھے اور سن رسیدہ افراد ماں باپ بھی ہو سکتے ہیں اور قریبی رشتے دار بھی اور معاشرے کے دوسرے افراد بھی۔ یوں تو ہر طرح کے بوڑھوں کی دیکھ بھال کا حکم ہے لیکن بوڑھے والدین کے بارے میں خصوصی ہدایات ہیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں روایتیں کثرت سے ہمیں ملتی ہیں۔ حضورؐ نے اپنی امت کو یہ اخلاق سکھائے ہیں کہ بچے بڑوں کو سلام کریں تا کہ ان کے ذہنوں میں بڑوں کی عزت کا نقش بیٹھے اور بوڑھوں کو معاشرے میں اپنی عزت اور لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت کا احساس ہو۔

اچانک آمنہ بی کی سوچ کا دائرہ ٹوٹا اور وہ اپنی نم آنکھوں کو اپنی چادر سے پونچھتے ہوئے خراماں خراماں گھر کی طرف چل دیں۔

■

Zaibun Nisa
A-1, Fourth Floor, MM Apartment
Near Shia Masjid
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

محمد علقمہ سلفی

بنجارا

بہت زمانہ پہلے خیر آباد میں افضل خاں زمیندار تھا۔ اس کی فلک بوس حویلی 'من ندی' کے کنارے تھی جس میں رنگ برنگ کی چھوٹی بڑی مچھلیاں اور ہنس تھے۔ وہ بڑا ظالم تھا۔ غریبوں کی زمین ہڑپ کر اپنی زمینداری میں ملا کر بہت طاقتور بن گیا تھا۔ اس کی فطرت میں معافی نہیں تھی۔ ندی میں مچھلیوں سے زیادہ انسانی کنکال تھے۔ پائیں باغ جو ہزاروں ایکڑ زمین میں تھا اس میں آم، امرود، بیر اور ناریل کے ہزاروں درخت تھے۔ سیکڑوں برس پرانا برگد کا پیڑ جس کی جڑوں میں ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر لگا ہوتا اور اصطبل میں ہر قسم کے اچھی نسل کے گھوڑے تھے۔

حویلی کے سامنے وسیع و عریض گھوڑ دوڑ میدان بھی تھا جس میں صبح کے وقت گھوڑے دوڑائے جاتے اور تلوار بازی، تیر اندازی و گھوڑسواری کی ٹریننگ دی جاتی۔ اسی میدان میں اگہن کے موسم میں جب دھان کی فصل کٹ کر کھلیان میں آجاتی تو میلہ لگتا جس میں بے شمار دکانیں سجائی جاتیں اور فنکار اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے۔

زمیندار کی کئی بیویاں تھیں اس کی ایک بیوی شگفتہ ناز نے ایک خوبصورت بچہ کو جنم دیا جس کا نام شہباز خاں تھا۔ بچہ کی خوشی میں کئی روز تک دعوت عام کا اہتمام کیا گیا۔ زمیندار اور ماں کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ہر طرح کے علوم وفنون حاصل کیے خاص کر گھوڑسوار کی تیر اندازی اور تلوار بازی میں اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ ہر سال میلہ لگتا اور تلوار بازی و گھوڑسواری میں اول آتا زمیندار اپنے ہاتھوں سے جیتنے والے کو انعام دیا کرتا اور بیٹا کی کامیابی پر پھولے نہ سمایا کرتا۔

اسی کی زمینداری میں بنجارے پہاڑوں پر بسے ہوئے تھے۔ پہاڑ پیالہ کی طرح تھا اور درمیان میں خالی جگہ پڑی ہوئی تھی اسی میں بنجاروں نے اپنی جھونپڑیاں بنا رکھی تھیں۔ دور تک پھیلا ہوا گھنا جنگل بھی تھا جس میں ہرن، نیل گائے، سانبھر، چیتل اور خرگوش بڑی تعداد میں تھے۔ وہ لوگ ان جانوروں کا شکار کرتے اور لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کیا کرتے۔ جنگل کاٹ کر کھیتی باڑی بھی کرنی شروع کر دی تھی۔

اس قبیلہ کا سردار فضلو تھا جو بڑا رحم دل اور نیک تھا۔ قبیلہ والوں کو اپنے سردار سے کوئی شکایت نہ تھی۔ طوفانی رات میں ایک شخص بھیگتا ہوا اس کے پاس آیا اس نے کسی چیز کو چھپا رکھا تھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کی خوبصورت بچی نیلوفر تھی جو ٹھنڈک سے کانپ رہی تھی۔ کپڑا بدل کر تولیہ میں لپیٹ کر آگ جلائی گئی۔ گرمی پا کر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اجنبی لوگوں کو دیکھ کر وہ

ڈری ہوئی تھی۔ سردار نے اپنی گود میں لیا اور کہا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد وہ سوگئی۔ اس آدمی نے اپنا نام ارسلان بتایا کہ زمیندار نے مری بیوی کو قتل کر دیا ہے۔ میں کسی طرح جان بچا کر اس بچی کو لے کر آیا کہ یہ میری امانت آپ کے پاس ہوگی۔ زندگی نے وفا کی تو میں ملنے ضرور آؤں گا۔

سردار کے پاس اولاد نہ تھی اس نے بیٹی بنا کر پرورش کی وہ بہت ذہین تھی کچھ پڑھنا لکھنا سیکھ لیا لیکن تلوار بازی، تیراندازی اور گھوڑسواری میں اس کا مدمقابل نہ تھا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکار کرنے جنگل میں نکل جاتی۔ ہرن، نیل گائے، سانبھر اور چیتل کا شکار کرتی۔ وہ بہت حسین تھی اس کا کالی گھنیری زلفیں کمر تک تھیں، وہ ہنستی تو جنگل کی ڈالیاں جھومنے لگتیں اور چڑیاں چہچہانے لگتیں۔ وہ اتنی بہادر تھی کہ بنجارے اس سے ڈرتے تھے۔

بابا کے ساتھ وہ ہر سال میلہ میں جایا کرتی۔ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرنا چاہتی لیکن بابا اس کو روک دیتے کہ ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ وہ خاموش تماشائی بنی فنکاروں کے مظاہروں کو دیکھا کرتی۔ شہباز خاں کے فن سے وہ بہت متاثر تھی اور اس کی محبت میں گرفتار ہونے لگی تھی۔ مگر وہ اپنے آپ کو سمجھاتی کہ ایک طرف زمیندار کا لڑکا اور ایک میں بنجارہ کی بیٹی کوئی مقابلہ ہی نہیں اگر زمین دار کو ذرا سی بھنک لگ گئی تو قبیلوں کو اجاڑ دے گا۔ مگر وہ دل ہی دل میں اس کی پرستار بن گئی تھی۔

شہباز خاں نے کبھی اسے لڑکی کے لباس میں دیکھا ہی نہیں ورنہ وہ بھی اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا، یہ محبت یکطرفہ تھی۔

ہر سال کی طرح میلہ تھا، جس میں فنکار اپنے فن کا مظاہرہ کرنے میدان میں آنے لگے۔ تلوار بازی، تیراندازی کا مقابلہ شروع ہوا تو اخیر میں شہباز خاں سرخ وسفید گھوڑے پر نمودار ہوا مداحوں نے چیلنج کیا کوئی ہے جو چھوٹے مالک کے مقابلہ میں آئے کچھ دیر تک سناٹا طاری رہا۔ اس کے بعد ناظرین نے ایک نوجوان کو سفید گھوڑے پر میدان میں آتے دیکھا۔ وہ جوان مردانہ لباس میں تھا اور اس کے سر پر خود اور کمر میں تلوار لٹک رہی تھی۔ بہت دیر تک مقابلہ ہوتا رہا دونوں کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ آخر میں نوجوان نے تلوار کا بھرپور حملہ کیا شہباز گھوڑے سے زمین پر گر پڑا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اُتر کر تلوار اس کے سینے سے لگا دی۔

میدان تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے گونج اٹھا۔ زمین دار کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا کہ میرا بیٹا ہار گیا ہے۔ با دل نخواستہ جیتے ہوئے فنکاروں کو انعام دیا گیا۔ جب اس نوجوان کو پکارا گیا تو وہ انعام لینے اسٹیج کی طرف بڑھا مگر اس کا پاؤں الجھ گیا اور خود سر سے نکل گیا۔ اب کیا تھا بجلی چمکی اور اس کا چاند سا مکھڑا، لمبی زلفوں کے بادل میں چھپ گیا۔ چاند سا مکھڑا دیکھتے ہی شہباز نے اپنا دل تھام لیا۔

زمین دار غصہ کے مارے کانپنے لگا کہ بنجارہ کی لڑکی نے میرے بیٹے کو شکست دے دی۔ فوراً اہل کاروں کو تیار کیا کہ بنجاروں کی جھونپڑیوں میں آگ لگا دی جائے اور اس لڑکی کو پکڑ کر میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ نیلوفر نو دو گیارہ ہوگئی۔ اس نے نوجوانوں کو اسی دن کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ زمین دار کے اہلکار مارے گئے۔ شہباز خاں بھی باپ کے مقابلہ میں تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا کہ وہ بنجارے آپ کی زمین داری میں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو اجاڑ دیا جائے اور میں جب بھی شادی کروں گا تو اسی بہادر لڑکی سے اور میں یہ حویلی بھی چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ نہیں بیٹا تم میری اکلوتی اولاد ہو میں جیتے جی مر جاؤں گا۔ ٹھیک ہے میری دو شرطیں ہیں ایک تو اس لڑکی سے شادی، دوسرے غریبوں کی زمین جو آپ نے

غصب کرلی ہے، واپس کردی جائے۔ افضل خاں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ زمین داروں کی زمین داری ختم ہونے کو تھی ہر طرف ظلم و زیادتی کے خلاف نعرے لگ رہے تھے۔ مجبوراً زمین دار شادی کے لیے تیار ہوگیا۔ بہت دھوم دھام سے شہباز خاں اور نیلوفر کی شادی ہوئی۔ مہینوں خوشیاں منائی گئیں اور غریبوں میں کپڑے اور غلے بانٹے گئے۔

قبیلہ کے سردار نے اعلان کیا۔ آپ لوگ نیلوفر کو میری بیٹی سمجھ رہے ہیں یہ میری نہیں کسی اور زمیندار کی بیٹی ہے جو آپ کے ظلم سے تنگ آکر میرے حوالے کر کے کہیں روپوش ہوگیا۔ اگر وہ زندہ اس محفل میں موجود ہو تو سامنے آکر اپنی بات رکھے۔ اتفاق سے وہ موجود تھا، وہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کا سگا بھائی ارسلان خاں تھا۔ افضل خاں اس کی طرف آگے بڑھا اور کہا میرا جرم ایسا نہیں کہ تم معاف کردو پھر بھی میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں، اپنی نیلوفر کی محبت میں مجھے معاف کردو۔ اب تو دونوں بھائیوں کی بیٹی ہے۔

اب وہ حویلی نہ رہی، نہ گھوڑ دور کا میدان نہ وہ شان و شوکت۔ اب یہ داستان پارینہ بن گئی اور ان ٹیلوں کو قبرستان بنا دیا گیا۔ قبر کی کھدائی میں اس دور کی چیزیں نکلتی رہی ہیں۔ لیکن وہ 'من' ندی بگڑی شکل میں اب بھی موجود ہے۔ کسی شاعر نے درست کہا ہے۔

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

■

Dr. Md. Alqama Salfi
Village & Post: Khirma
Via: Keoti
Distt.: Darbhanga - 847121 (Bihar)
Mob.: 9162254986

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر.............................. بتاریخ..............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....
پتہ : ....
....
....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066
فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

روشن حیات

ننھے اور دادی جان

ننھے گھر بھر کے لاڈلے ہیں۔ بڑا، چھوٹا ہر کوئی ان سے محبت کرتا ہے۔ امی ابو کے تو جیسے آنکھوں کے تارے ہیں، ایسے کہ ایک پل کے لیے بھی انھیں اپنی نظروں سے دور جانے نہ دیتے۔ اور دادا دادی کی تو جیسے ان میں جان بسی ہوئی ہے۔ اتنی محبتوں اور الفتوں کے بیچ رہ کر دن بہ دن ان کی عادتیں بگڑنے لگی ہیں۔ شرارتیں تو ان کی اوج پر پہنچ چکی ہیں۔ جب چاہا کھانے سے بھری برتن میں پانی ڈال دیا، جب من چاہا آٹے، دال، چاول کو مکس کر ڈالا، نل کھلا چھوڑ چلے گئے۔ امی کسی بات کو لے کر انھیں ذرا ڈانٹ دیتیں تو دوڑے دوڑے دادی اماں کے پاس چلے جاتے۔ دادی اماں امی سے ناراض ہو کر کہتیں ”کیا ہو گیا جو اتنی آفت مچا رکھی ہے، کیوں بچے کو بلا وجہ ڈانٹ پلائی جا رہی ہے“۔ امی کہتیں ”آپ نہیں جانتیں ان کی شرارتیں کتنی بڑھ گئیں ہیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی خرافات میں لگے رہتے ہیں“۔ دادی اماں کہتیں ”ارے بچہ ہی تو ہے۔ ابھی شرارتیں نہیں کرے گا تو کب کرے گا۔ ابھی تو اس کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔ ہر وقت اس پر افسروں کی طرح نظر رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بڑا ہوگا تو خود ہی سمجھ جائے گا“۔ اس پر امی جواب دیتیں ”آپ نے ہی انھیں سر پر چڑھا رکھا ہے۔ اتنے شرارتی ہو گئے ہیں کہ کیا کہنے۔ کل چھوٹی اپنی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی، پتہ نہیں دونوں کے بیچ کیا ہوا اور انھوں نے اس کی گڑیا توڑ ڈالی۔ وہ رونے لگی تو یہ ان کی نقلیں اتار اتار کر اسے مزید چڑانے لگے۔ پڑھنے کے لیے بٹھاؤں تو کتاب کو ہاتھ لگانے کو تیار نہیں۔ جب بلاؤ، بہانہ بنا کر آپ کے یہاں آ کر چھپ جاتے ہیں۔ ایسا کب تک چلے گا۔ ابھی نہیں سیکھیں گے تو کب سیکھیں گے؟“

”ہاں ہاں! سر پر تو بس میں نے ہی چڑھا رکھا ہے تم لوگ تو کچھ کرتے ہو نہیں۔ دیکھ! میں کہے دیتی ہوں ہر وقت اس کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی کیا ماں کے شکم سے سیکھ کر آتا ہے۔ وقت آئے گا تو یہ بھی سیکھ جائے گا۔ چل جا اپنا کام کر، چھوڑ اسے میرے پاس“

پھر ننھے کے پاس جا کر اسے پچکارتیں ”آ جا میرے لال! آج کیا کیا جو آپ کی امی اتنی ابل رہی ہیں؟

”کچھ نہیں دادی جان! آٹے کے پاس پانی تھا۔ امی پاس بھی نہیں تھیں، تو میں نے اس میں پانی ڈال دیا۔ بس پھر امی چلانے لگیں اور کیا۔“

”شاباش! آٹے میں پانی ڈال دیا، یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔ مجھے بھی یہ گُر سکھا دیجیے گا۔ کل سے میں بھی آپ کے ساتھ ایسے ہی کروں گی۔“

”جی دادی جان! ایک بات بولوں۔ وہ دیکھیے، چھوٹی نے گڑیا پھر سے جوڑ لیا ہے، میں جا کر اسے توڑ کر آتا ہوں۔“

”ارے بیٹا رکیے! کہاں دوڑے چلے جا رہے ہیں؟ چھوٹی کھیل رہی ہے، اسے کھیلنے دیتے ہیں۔“

”نہیں دادی جان! وہ مجھے اپنی گڑیا چھونے بھی نہیں دیتی۔ اس لیے میں بھی اسے کھیلنے نہیں دوں گا۔“

''اچھا بابا! توڑ لیجیے گا لیکن ابھی کیا ایک پیاری سی کہانی نہیں سننی ہے آپ کو؟''

''ارے واہ! کہانی سنیں گے، کہانی سنیں گے۔ دادی جان! وہ نیلم پری کی کہانی پھر سے سنائیے نا''

''نیلم پری کی کہانی پھر کبھی سناؤں گی۔ آج ایک اچھے بچے کی کہانی سناتی ہوں۔ لیکن بیچ بیچ میں کچھ پوچھوں تو اس کا جواب بھی دینا پڑے گا۔ تیار ہیں؟

''جی دادی جان! میں تیار ہوں۔ آپ بس کہانی سنائیے''

''لو سنو۔ ایک پیارا سا بچہ تھا راحیل، بالکل آپ کے جیسا۔ اس کے ابو جی اسے کچھ سامان خریدنے بازار لے گئے۔ وہاں ایک آدمی ٹھیلے پر پھل وغیرہ بیچ رہا تھا۔ ان پھلوں میں آم، ناشپاتی، انگور، انار، کیلا اور بہت سارے پھل تھے۔ اسی طرح پاس میں ہی سبزی فروش کا بھی ٹھیلہ تھا۔ اس میں طرح طرح کی سبزیاں جیسے آلو، بینگن، گوبھی، ساگ، مٹر، کریلے وغیرہ تھے۔ اب ابو جی نے راحیل سے پوچھا۔ بیٹے آپ کیا کیا لینا پسند کرو گے۔ اچھا ایک منٹ۔ ننھے میاں ذرا آپ تو بتائیے؟ اگر آپ راحیل کی جگہ ہوتے اور آپ کے ابو جی پھل اور سبزیاں پسند کرنے کو کہتے تو آپ کون کون سی چیزیں لینا پسند کرتے؟''

''میں! میں تو انار لیتا، ناشپاتی لیتا، کیلا، انگور، ٹماٹر، مٹر سب لے لیتا۔''

''اچھا! اور آپ کریلے بھی لیتے۔ ہے نا؟''

''نہیں دادی۔ مجھے کریلا ذرا بھی پسند نہیں۔''

''وہ کیوں؟''

''بہت کڑوا ہوتا ہے نا۔ اس لیے۔''

''اچھا! اور باقی سارے پھل آپ کیوں لینا چاہتے ہیں۔''

''کیونکہ وہ بڑے میٹھے اور ٹیسٹی ہوتے ہیں اس لیے۔''

''بہت اچھے! آپ نے تو بالکل صحیح جواب دیا۔ راحیل نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اس نے بھی سارے پھل اور سبزیاں لے لیں لیکن کریلے کو اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ راحیل کے ابو جی نے جب پوچھا تو اس نے بھی آپ کی طرح ہی بتایا کہ کریلا بہت کڑوا ہوتا ہے اور پھر اس نے برا سا منہ بھی بنایا اس طرح...''

ننھے کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ دادی جان نے ایسی شکل بنائی کہ بس ننھے کا ہنسی ضبط کرنا محال ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دادی بولیں۔ ''ننھے میاں! دیکھا آپ نے۔ میٹھی اور ٹیسٹی چیزوں کو ہر کوئی پسند کرتا ہے، لیکن کڑوی، کسیلی چیزوں سے ہر کوئی دور بھاگتا ہے۔ ٹھیک ویسے ہی لوگ ہمارے برتاؤ اور ہمارے ڈھنگ سے بھی بہت متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ہم سب کے ساتھ اچھے سے رہیں، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور انھیں نہ ستائیں تو سب ہم سے بھی پیار کریں گے اور ہمیں چاہیں گے لیکن اگر ہم ان کی چیزوں کو توڑ دیں، شرارت کریں اور کسی کا کہنا نہ مانیں تو وہ ہمیں بالکل بھی پسند نہیں کریں گے اور ہمیں چاہیں گے بھی نہیں۔ بالکل کریلے کی طرح۔''

ننھے کچھ دیر سوچ کر بولے۔ ''دادی جان! میں سمجھ گیا۔ اب میں چھوٹی کی گڑیا نہیں توڑوں گا اور امی کا بھی کہنا مانوں گا۔ انھیں کبھی نہیں ستاؤں گا۔ تب تو سب مجھے پیار کریں گے نا۔''

''سو فیصدی میرے بچے۔ آؤ میرے پاس''

دادی نے ننھے کو گلے لگا کر پیار کیا۔ اس طرح ننھے میاں نے تو اپنا سبق سیکھ لیا اور آپ نے؟

■

Dr. Roshan Ara
Gopinath Pur
Purulia - 722137 (WB)

نسیم سحر

حلال کی کمائی

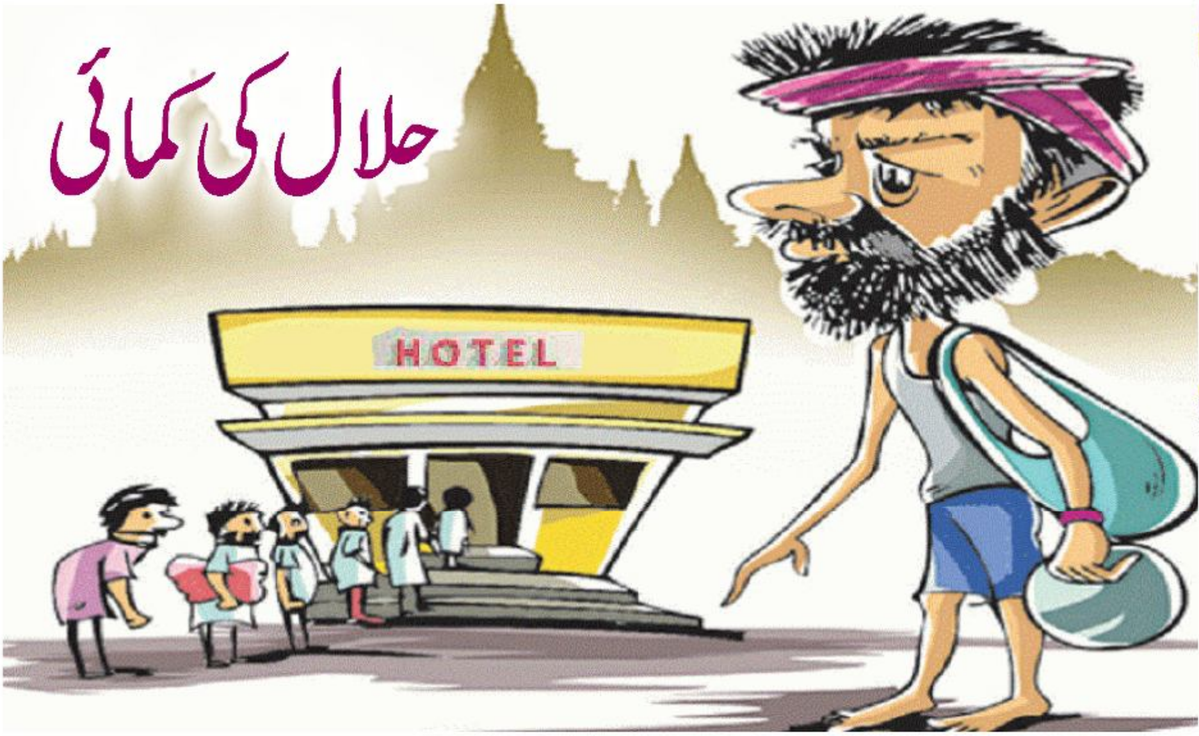

گجرات کے بلساڑ قصبہ میں نظیر سیٹھ کا ایک ہوٹل تھا۔ نظیر سیٹھ بڑا خوددار آدمی تھا۔ وہ اپنی محنت کی کمائی کے علاوہ کسی طرح سے مالدار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ ہوٹل کی بنائی ہوئی چیزوں میں کبھی گھٹیا مال کا استعمال نہیں کرتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ غلط طریقے سے روپیہ کمایا جائے۔

جیسا وہ تھا ویسا ہی وہ دوسروں سے بھی چاہتا تھا۔

اس کے ہوٹل میں تین فقیر دوست نوجوان ہٹے کٹے ایک کے بعد ایک بھیک مانگنے آتے۔ نظیر نے ان کو پھٹکارا اور کہا، ”تم جوان ہٹے کٹے ہو۔ بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ تمھیں محنت کرکے کھانا چاہیے۔“

”کون کام دے گا...؟“

”میرے یہاں ہوٹل میں کام کروگے؟ میں تمھیں کھانے پینے کے علاوہ 500/روپے تنخواہ بھی دوں گا۔“

اتنا سنتے ہی فقیر وہاں سے چلا گیا۔

نظیر ہوٹل والے نے خود بھی اس کو بھیک نہیں دی اور اپنے آس پاس کے دکانداروں کو بھی اپنا ہم نوا بنالیا۔ جب یہ فقیر دوسرے دکانداروں کی دکان پر بھیک مانگنے جاتے تو انھیں وہاں بھی بھیک نہیں ملتی تھی۔ ایک دن تینوں فقیر دوست نظیر ہوٹل کے سامنے ایک ٹوٹے پھوٹے مکان کے برآمدے میں بیٹھ کر آپس میں باتیں کررہے تھے...

”اس نظیر کے بچے نے ہمارے پیٹ پر لات ماردی ہے۔ ہمیں اب کوئی بھیک نہیں دیتا ہے۔ کیوں نہ ہم لوگ بھی اس کو مزہ چکھائیں۔“

ان تینوں نے آپس میں کچھ فیصلہ کیا اور ان میں سے ایک نظیر کے ہوٹل میں پہنچا اور آواز لگائی....

”اللہ کے واسطے کچھ دے دو۔ اللہ تمھارا بھلا کرے گا۔

”میرے پاس تو سکّہ نہیں ہے۔“

”نوٹ تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے۔“

”اللہ کے واسطے ایک نوٹ ہی دکھا دو۔“

یہ سنتے ہی نظیر ہوٹل والے نے 5/ کا ایک نوٹ اپنے گلّے

سے نکال کر اس فقیر کو دے دیا۔ نظیر نے سوچا کہ وہ نوٹ کو دیکھے گا اور واپس کر دے گا مگر فقیر نے ایسا نہیں کیا۔ نوٹ ملتے ہی اس نے اس کو اپنے منہ میں ڈال کر چبا لیا اور جلدی سے اپنے دوسرے دوستوں کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں پر دوسرے فقیر اس کے واپس آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے آتے ہی فوراً اس نوٹ کو منہ سے نکال کر اپنے تکیہ میں رکھ لیا جو نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اب یہ لوگ اپنی کامیابی پر خوشی منانے لگے۔ اس تکیے کو ایک دوسرے پر اچھال اچھال کر خوشیاں منا رہے تھے۔ اس تکیے میں ان تینوں کی جمع پونجی تھی۔

فقیر جب نوٹ اپنے منہ میں ڈال کر واپس چلا گیا تو نظیر ہوٹل والا بھی اس ٹوٹے پھوٹے مکان کے پیچھے کے راستے سے اس کے برآمدے کے اوٹ میں جا کر چھپ گیا جہاں تینوں فقیر تکیے کو ایک دوسرے پر پھینک کر خوش ہو رہے تھے۔ اسی دوران جب ایک فقیر نے دوسرے کے لیے تکیہ اچھالا تو بڑی تیزی سے نظیر نے اچھل کر وہ تکیہ اپنے قبضے میں لے لیا اور اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ اس نے اس تکیے کو حفاظت سے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نظیر ہوٹل والے نے ایک مٹی کے گھڑے میں پتھر بھر کے اس کا منہ بند کر دیا اور اسے لے کر تینوں فقیروں کے پاس گیا۔ نظیر ہوٹل والے نے ان سے کہا....

''یہ لو پیسوں سے بھرا گھڑا۔ تم بھی کیا یاد رکھو گے کہ کسی امیر سے پالا پڑا ہے۔''

یہ کہہ کر نظیر ہوٹل والا اپنے ہوٹل میں واپس آجاتا ہے۔

اب یہ تینوں آپس میں لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں۔ ان میں ہر کوئی چاہتا ہے کہ یہ گھڑا اس کو ملے۔ انھیں اپنے پیسے کی فکر نہیں رہتی ہے کیونکہ اس گھڑے میں ان کی رقم سے سیکڑوں گنا زیادہ رقم ہے۔ ان میں سے ہر کوئی سوچ رہا ہے کہ اتنی رقم لے کر وہ ایک شاندار زندگی گزارے گا۔ ان کو لڑتے جھگڑتے دیکھ کر نظیر ہوٹل والا وہ تکیہ واپس کرنے کے بعد کہتا ہے....

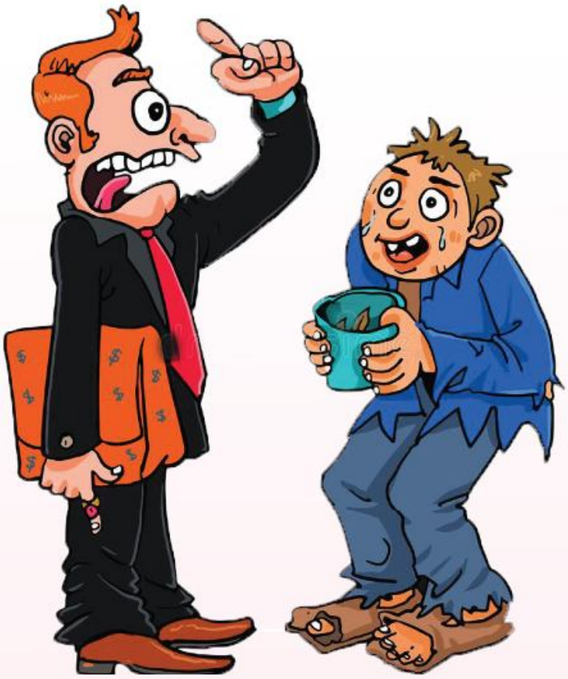

''تم لوگوں نے حرام کی کمائی دیکھ کر اپنی رقم کو بھلا دیا۔ یہ لو تمھارا پیسہ تمھیں مبارک ہو۔ میں چاہتا تو یہ پیسہ تمھیں واپس نہیں دیتا مگر میں اس طرح کا حرام کا پیسہ اپنی زندگی میں لگانا نہیں چاہتا۔ گھڑے میں بھرے ہوئے پتھر کو باہر گرا کر نظیر ہوٹل والے نے پھر کہا....

''حرام کا پیسہ حرام ہوتا ہے۔ جو اپنا کمایا ہوا نہیں ہوتا۔ یہ بہت جلد برباد ہو جاتا ہے اور اپنی محنت کا کمایا ہوا پیسہ زیادہ دنوں تک ہمارے پاس رہتا ہے۔''

اتنا سنتے ہی تینوں فقیر بہت شرمندہ ہوئے اور اسی وقت سے نظیر ہوٹل میں کام کرنا شروع کر دیا۔

■

Naseem-e-Sahar
Bazm-e-Masoom
F/15, BLD. No.: 4, Sai Nagar Colony
1st Floor, Bhiwandi - 421302
Mob.: 9923257606

انصاری حفیظ الرحمن

ہیوا

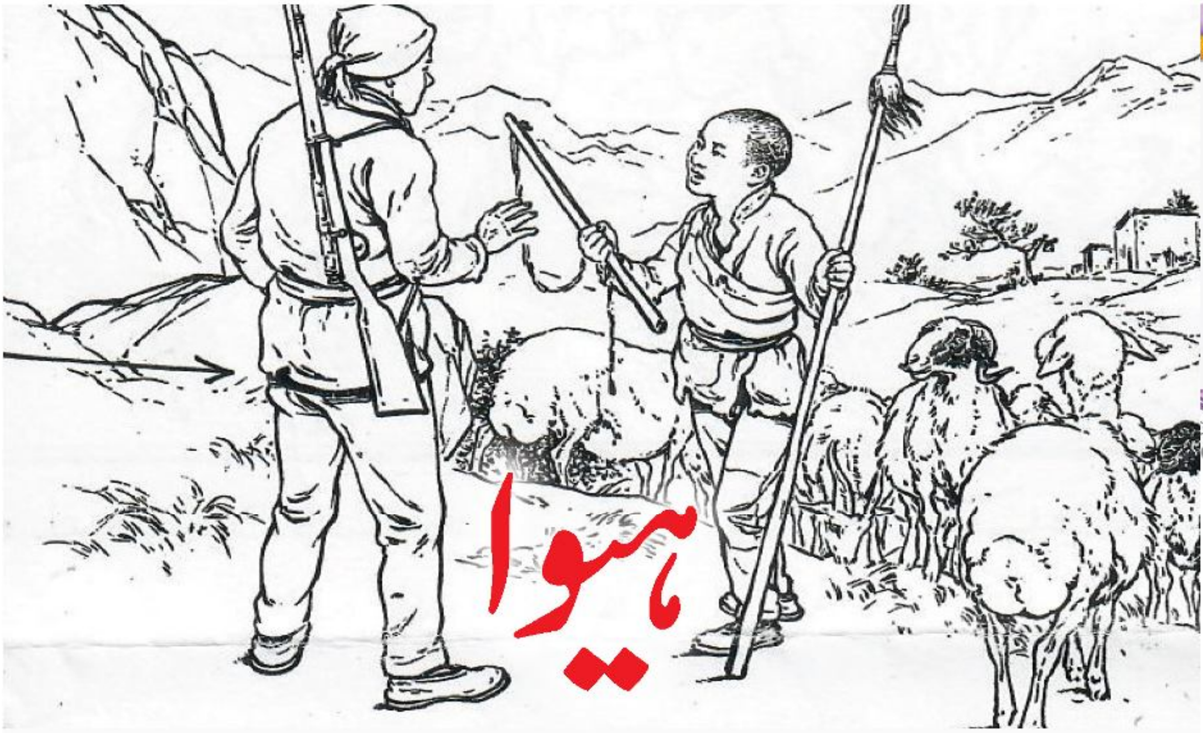

ہیوا ایک گڈریا بچہ ہے۔ یہ کہانی اس وقت کی ہے جب کہ ہیوا محض 14 برس کا تھا۔ شانسی صوبہ میں ہیوا اور اس کے والد بھیڑ بکریوں کا ریوڑ قریبی جنگلات، پہاڑیوں اور ندی نالوں میں چراتے رہتے تھے اور یہ ان کا ذریعہ معاش بھی تھا۔ شانسی صوبہ کے سرحدی علاقوں میں جاپانی فوج نے اپنی چھاؤنیاں قائم کرلی تھیں۔ وقتاً فوقتاً شانسی فوج سے اس کی جھڑپ ہوا کرتی تھی۔

ہیوا کے والد شانسی صوبہ میں گوریلا بٹالین نمبر 8 کے اہم رکن بھی تھے۔ ہیوا نے بھی لِنگمن کی پہاڑیوں پر اپنا خفیہ اڈہ بنا رکھا تھا۔ اس پہاڑ کی بلندی پر ایک درخت تھا جسے ہیوا نے سگنل دینے والا درخت نام بھی دیا تھا۔ وہاں سے جاپانی فوجوں کی نقل وحمل کی پوری نگرانی ممکن تھی۔ وہ جاپانی فوجوں کو لٹیروں کی فوج کہتا تھا۔ جب بھی سگنل دینے والا درخت گرا ہوا ہوتا شانسی والے سمجھ جاتے کہ کوئی آفت آئے گی۔ ایک دن ہیوا انھیں پہاڑیوں پر تھا کہ دیکھا اُترائی میں کوئی شخص بندوق لیے اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہیوا نے دیکھا کہ وہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کے والد صاحب ہیں۔

والد صاحب نے ہیوا کو ایک لفافہ دیا جس پر کسی پرندے کے 3 خوبصورت پَر چسپاں تھے۔ والد صاحب نے کہا ”بیٹے! اس لفافے کو سن وانگ کی فوجی چھاونی میں ہمارے کمانڈر انچیف کو دینا ہے۔ اس میں اہم فوجی راز ہیں۔ ہیوا نے کہا ”مگر ابو! ان بھیڑوں کا کیا کروں؟ ان کی وجہ سے خط تاخیر سے ملے گا“ ابو بولے ”اس ریوڑ کے ساتھ رہنے سے کوئی تم پر شک نہیں کرے گا اب تم جاؤ“ ابو نے اُبلے ہوئے رتالو (Sweet Potato) ہیوا کی جیب میں رکھ دیے۔ سن وانگ کا فوجی ہیڈ کوارٹر اس مقام سے 10 میل دور تھا جہاں باپ بیٹے ملے تھے۔ ہیوا اپنی بھیڑوں کو ہانکتا ہوا آگے بڑھا۔

اس نے دیکھا کہ پہاڑی کے اکثر نشیبی علاقوں میں دشمن فوجیوں کا گشت جاری ہے۔ ہیوا ان کی نظروں سے بچنے کے لیے زیادہ تر پگڈنڈیوں ہی پر بڑھتا جارہا تھا۔ جامہ تلاشی کے

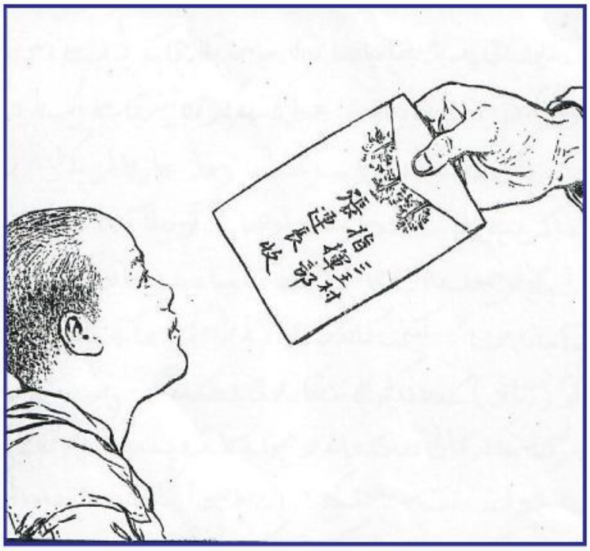

ڈر سے اس نے اہم خط موٹی اور کالے دھبوں والی بھیڑ کے دم میں باندھ دیا تھا۔ خط باندھ کر وہ تیزی سے ایک طرف بڑھ گیا۔ ایک فوجی اس کے بالکل قریب آ کر رکا۔ ایک نے ہیوا کا کالر پکڑا اور پوچھا ”اے بچے کون ہو تم؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو“ دوسرے نے پوچھا ”گوریلا آرمی نمبر 8 کا جاسوس لگتا ہے“ ہیوا بولا ”صاحب! مجھے فوجیوں اور آرمی نمبر 8 سے کیا لینا دینا میں تو گڈریا ہوں اور اس طرف ان بھیڑوں کو چرانے آ جاتا ہوں“ کمپنی کمانڈر نے آگے بڑھ کر اس کی جیب ٹٹولی۔ سوائے اُبلے ہوئے سویٹ پوٹاٹو (رتالو) کے وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ فوجی اسے کھانے لگے۔ انھوں نے ہیوا کو چھوڑ دیا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ کالی وردی والے فوجیوں کا جتھہ ملا۔ انھوں نے آتے ہی بھیڑوں کو مارنا شروع کر دیا۔ ہیوا نے منت سماجت کی ”اے صاحبو! کیوں بے زبان جانور کو وحشیوں کی طرح پیٹ رہے ہو“ ہم بھوکے ہیں اور ان ہی کو بھون کر کھائیں گے۔

اس نے اشاروں سے بھیڑوں کو خاموش کیا۔ خط کھولا اور تیزی سے پہاڑی راستوں پر بھاگنے لگا۔ صبح کا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔ ہیوا کالی وردی والے فوجیوں سے کافی دور نکل آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پہاڑی کے اوپر کوئی آدمی سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ ہیوا نے اپنی شرٹ اتاری اور اس طرف دوڑ لگائی۔ ایک جگہ وہ رکا اور شرٹ کی جیب ٹٹولی۔ خط وہاں نہیں تھا۔ وہ فوراً انھیں راستوں پر لوٹا۔ ایک جگہ جھاڑیوں میں خط پھنسا ہوا تھا۔ اس نے خط اٹھایا اور واپس دوڑنے لگا لیکن ایک کالی وردی والے فوجی نے اسے پکڑ لیا۔ اسے اسی جگہ لے آیا جہاں باڑے میں بھیڑیں بند تھیں۔ اس نے خط کو فوراً اسی بھیڑ کی دم میں چھپا دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کالی وردی والے اب یہ گاؤں چھوڑ رہے ہیں۔ فوجیوں کا جتھہ سفر کے لیے تیار ہو گیا تو فوجی کمانڈر نے کہا ”اے بچے! بھیڑوں کو لے کر ہمارے ساتھ ساتھ چلو“ کافی فاصلہ طے ہو جانے کے بعد ہیوا کو احساس ہوا کہ اب سنوانگ کا فوجی اڈہ زیادہ دور نہیں ہے۔ راستے بھر کمانڈر ہیوا سے الٹے سیدھے سوالات کرتا رہا۔ اسے شک تھا کہ وہ گوریلا آرمی نمبر 8 کا جاسوس ہی ہوگا۔

ہیوا نے دیکھا کہ سگنل دینے والا درخت بھی گرا ہوا ہے۔ اچانک تھوڑے فاصلے پر بارودی سرنگیں پھٹنے سے فوجی ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ انھیں نہ ہیوا کی فکر تھی اور نہ ہی بھیڑوں کی۔ وہ بری طرح بھاگ رہے تھے۔ ہیوا نے بھیڑوں اور خود کو پگڈنڈیوں پر ڈال دیا تھا کیونکہ اس طرف بارودی سرنگیں نہیں

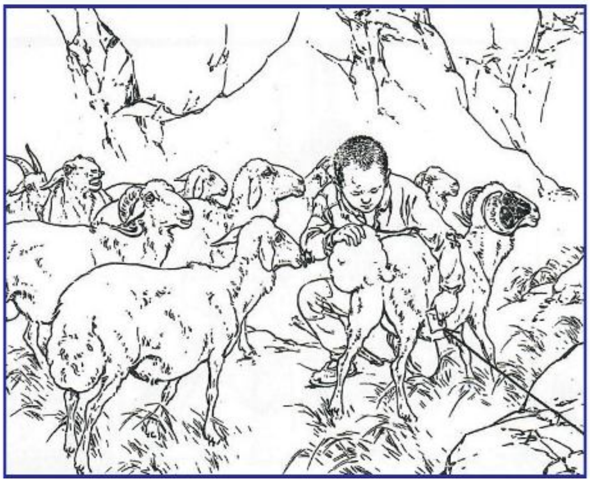

ہوسکتی تھیں۔ آگے چل کر ہیوا کو دو راستے اور نظر آئے۔ ہیوا کے آس پاس کوئی فوجی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے بھیڑیں لے کر بھاگنے لگا۔

وہ تیزی سے ریوڑ کے ساتھ بھاگتا رہا۔ کالی وردی والوں نے اس پر رائفلیں تان دیں۔ ایک بولا”اگر اپنی اور ان بھیڑوں کی خیریت چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ ساتھ بھاگو اگر ایسا نہیں ہوا تو بھون دوں گا۔“

کالی وردی والوں پر فائرنگ ہو رہی تھی مگر اتفاق سے ہیوا اور بھیڑیں اب تک محفوظ رہیں۔ ابھی وہ کچھ دور ہی چلا ہوگا کہ ایک چنگھاڑ سی سنائی دی۔ یہ بارودی سرنگیں پھٹنے کی آواز تھی۔ اس نے خود کو زمین سے لگا دیا مگر گولی اس کے بدن کو چھیلتی ہوئی نکل گئی۔ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گرا۔ بٹالین نمبر 8 کے کچھ فوجیوں نے اسے اٹھایا اور تیزی سے فوجی ہیڈ کوارٹر کی طرف بھاگے۔ فوجی ہیڈ کوارٹر کو ہیوا کے زخمی ہونے کی اطلاع مل چکی تھی۔

”بے ہوش ہونے سے پہلے ہیوا کے منہ سے نکلا تھا کالے دھبے والی موٹی سی بھیڑ کو بچالو“ ہیوا کا یہ جملہ ایک فوجی نے سن لیا تھا۔ ہیوا کو لے کر وہ فوجی ہیڈ کوارٹر آ گئے۔ جونیئر کمانڈر نے ہیوا کا وہ جملہ کمانڈر انچیف کو سنایا جو اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے دہرایا تھا۔

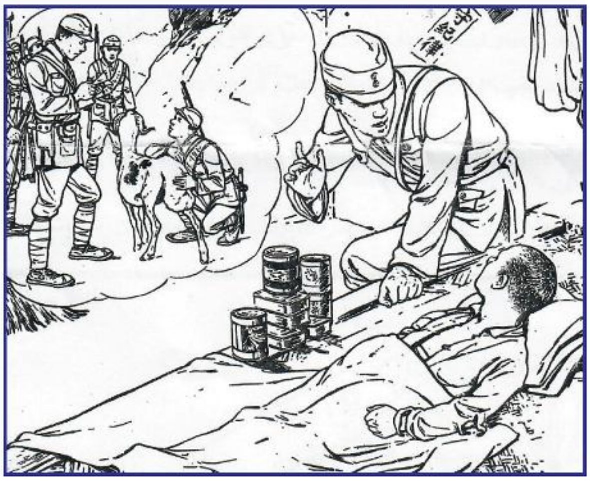

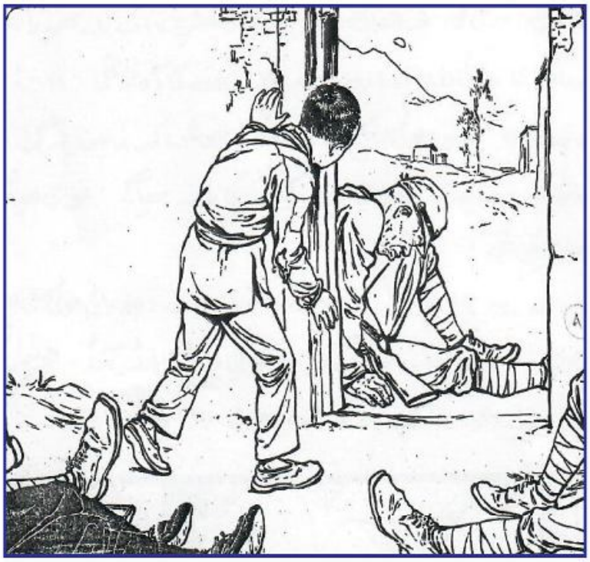

حملے کے دوسرے دن جب ہیوا کو ہوش آیا تو خود کو فوجی ہیڈ کوارٹر کے نرم اور گرم بستر پر پایا۔ کمانڈر انچیف مسکرا کر ہیوا سے کہہ رہا تھا ”شکر ہے کہ تم بچ گئے“ ہیوا: ”اور میری بھیڑیں“ کمانڈر بولا: اگر تمھاری بھیڑیں مر جاتیں تو وہ خط ہمیں کس طرح ملتا۔ وہ سب محفوظ ہیں ہم نے کالے دھبے والی موٹی بھیڑ کی دم سے وہ اہم خط نکال کر اس میں درج احکامات پر عمل کیا اور اس طرح فتح ہمارا مقدر بنی۔

ہیوا نے پوچھا ”میرے ابو کا کیا ہوا“ کمانڈر بولا ”انھیں خبر دے دی گئی ہے۔ عنقریب وہ تم کو اپنے گھر لے جائیں گے۔ میں اپنی حکومت سے درخواست کروں گا کہ تمھیں اس بہادری کے لیے انعامات اور نقد روپیوں سے نوازے۔“

(چینی کہانی کا اردو ترجمہ)

■

Ansari Hafizur Raheman
Sur 76, Pl. No: 55, Ansar Colony
(Naya Pura Ward) Malegaon
Distt: nasik - 423203 (Maharashtra)

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- ’مستقبل کے قلمکار‘ عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

National Council for Promotion of Urdu

UEFA EURO 2020

سید پرویز قیصر

اٹلی کی ٹیم 53 سال بعد بنی یوروپین کپ کی فاتح

اٹلی نے انگلینڈ کو پنالٹی شوٹ آوٹ میں دو کے مقابلے تین گول سے شکست دے کر دوسری مرتبہ یوروپین کپ جیتا۔ لندن کے ومبلے اسٹیڈیم میں ہوئے فائنل میچ میں دونوں ٹیمیں مقررہ وقت اور فاضل وقت کے بعد 1-1 گول سے برابر تھیں۔ پنالٹی شوٹ آوٹ میں انگلینڈ کی جانب سے پانچ میں سے دو پنالٹی ککس گول میں تبدیل کی گئیں جبکہ اٹلی کے کھلاڑیوں نے پانچ میں سے تین پنالٹی ککوں پر گول مارے۔

انگلینڈ کے لیفٹ بیک لوک شا نے ایک منٹ اور 56 سکنڈ میں پہلا گول کیا جو یوروپین کپ فائنل میں سب سے تیز اور کل ملا کر پانچواں سب سے تیز گول تھا۔ اس سے پہلے فائنل میں سب سے تیز گول مارنے کا ریکارڈ اسپین کے چس پریڈا نے روس کے خلاف میڈرڈ میں 1964 میں ہوئے فائنل میں کیا تھا۔ انھوں نے یہ گول پانچ منٹ اور 17 سیکنڈ میں مارا تھا۔

اٹلی کی ٹیم نے جب 53 سال پہلے پہلی مرتبہ یوروپین کپ جیتا تھا تو اس نے اپنے گھر پر ہوئے فائنل میچ میں یوگو سلاویہ کو شکست دی تھی۔ روم میں 1968 میں ہوئے فائنل میں میچ 1-1 سے برابر رہا تھا۔ جب دوسری مرتبہ دونوں کا فائنل میچ ہوا تو میزبان ٹیم نے 2–0 سے جیت حاصل کی تھی۔

اس خطاب کے بعد اٹلی دو مرتبہ اور فائنل میں پہنچی اور ہر مرتبہ اسے شکست ہوئی۔ 2000 میں جب دوسری مرتبہ وہ فائنل میں پہنچی تو اسے فرانس نے 2 - 1 سے شکست دی تھی۔ 2012 میں ہوئے فائنل میں اٹلی کو اسپین نے 0–4 سے شکست دی تھی جو یوروپین کپ کے فائنل میں سب سے بڑی جیت بھی ہے۔

انگلینڈ کی ٹیم پہلی مرتبہ یورپین کے فائنل میں پہنچی تھی جبکہ 1966 کا عالمی کپ جیتنے کے بعد اس نے پہلی مرتبہ کسی بڑے ٹورنامنٹ کے فائنل میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ انگلینڈ کا ریکارڈ بڑے بڑے ٹورنامنٹوں میں پنالٹی شوٹ آوٹ میں اچھا نہیں ہے۔ اس کو نو میں سے چھ پنالٹی شوٹ آوٹ میں شکست ہوئی ہے۔

اٹلی کو اس مرتبہ گروپ اے میں جگہ ملی تھی۔ اس نے گروپ میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے پری کوارٹر فائنل میں

جگہ حاصل کی تھی۔ اس نے پہلے لیگ میچ میں ترکی کو3-0 سے شکست دی تھی۔ سوئزر لینڈ کے خلاف اس نے اسی اسکور کے ساتھ جیت اپنے نام کی تھی۔ ویلز کو تیسرے اور آخری میچ میں اس نے1–0 سے ہرایا تھا۔

پری کوارٹر فائنل میں اٹلی نے فاضل وقت میں آسٹریا کو2–1 سے شکست دی۔ اس میچ میں مقررہ وقت تک دونوں ٹیمیں کسی گول کے بغیر برابر تھیں۔ کوارٹر فائنل میں اٹلی نے بلجیم کے خلاف2-1 سے جیت درج کی تھی جبکہ سیمی فائنل میں وہ پنالٹی شوٹ آوٹ میں اسپین کو 4–2 سے ہرانے میں کامیاب رہی تھی۔ اس میچ میں مقررہ وقت میں دونوں ٹیمیں1-1 گول سے برابر تھیں۔ جب فاضل وقت میں بھی میچ کا فیصلہ نہیں ہوا تو پنالٹی شوٹ آوٹ کے ذریعے میچ کا فیصلہ کیا گیا جس میں اٹلی4–2 سے فاتح رہی۔

اس یوروپین کپ میں 5 1 میچوں میں2.78 کی اوسط کے ساتھ142 گول اسکور ہوئے جو ایک ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ گول ہیں۔ لیگ میں 36 میچوں میں94، دوسرے راونڈ کے آٹھ میچوں میں 29، چار کوارٹر فائنل میچوں میں 1 2،دو سیمی فائنل میچوں میں پانچ اور فائنل میں دو گول ہوئے۔ اس ٹورنامنٹ میں4830 منٹوں میں142 گول اسکور کئے گئے یعنی ہر 3 4منٹ میں ایک گول مارا گیا۔

یورپین کپ پچھلے سال ہونا تھا مگر کورونا کی وجہ سے اس کو ایک سال بعد منعقد کیا گیا۔ 11 جون سے 11 جولائی 2021 تک ہوئے اس ٹورنامنٹ کے میچ گیارہ ملکوں کے گیارہ شہروں میں ہوئے۔ اس سے پہلے کبھی دو سے زیادہ ملکوں میں یوروپین کپ نہیں ہوا تھا۔ اٹلی میں روم، لندن، جرمنی، میونخ، باکو، روس، بلغاریہ، اسپین، رومانیہ، نیدرلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور ڈنمارک میں میچ کھیلے گئے۔ انگلینڈ کی راجدھانی لندن میں نہ صرف انگلینڈ نے اپنے گروپ میچ کھیلے بلکہ یہاں دونوں سیمی فائنل اور فائنل میچ بھی ہوئے۔

اس مرتبہ 24 ٹیموں نے فائنل راونڈ کے لیے کوالی فائی کیا تھا جن کو چھ گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گروپ اے میں اٹلی، ترکی، ویلس اور سوئزر لینڈ کو رکھا گیا ہے، جبکہ ڈنمارک، فن لینڈ، بلجیم اور روس کو گروپ بی میں جگہ ملی۔ گروپ سی نیدر لینڈ، یوکرین، آسٹریا اور نارتھ مسی ڈونیا پر مشتمل تھا جبکہ گروپ ڈی میں انگلینڈ، کروشیا، اسکاٹ لینڈ اور چیک ری پبلک تھے۔ گروپ ای میں اسپین، سوئیڈن، پولینڈ اور سلوواکیہ کو رکھا گیا جبکہ گروپ ایف ہنگری، پرتگال، فرانس اور جرمنی پر مشتمل تھا۔ ہر گروپ سے پہلی دو پوزیشن حاصل کرنے والی ٹیمیں اور تیسرے مقام پر رہنے والی چار ٹیموں نے دوسرے راونڈ میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا۔

دوسرے راونڈ میں بلجیم نے پرتگال کو 1–0 سے، ڈنمارک نے ویلس کو4-0 سے، اٹلی نے آسٹریا کو فاضل وقت میں2–1 سے، چیک ری پبلک نے نیدرلینڈس کو2-0 سے، اسپین نے کروشیا کو فاضل وقت میں5-3 سے، سوئٹزر لینڈ نے فرانس کو پنالٹی شوٹ آوٹ میں5-4 سے، انگلینڈ نے جرمنی کو2-0 سے یوکرین نے سوئیڈن کو فاضل وقت میں2 سے ہرا کر کوارٹر فائنل میں جگہ بنائی تھی۔ سوئٹزر لینڈ اور فرانس کا میچ مقررہ وقت اور فاضل وقت کے بعد3–3 سے برابر تھا۔

پہلے کوارٹر فائنل میں اسپین نے سوئٹزر لینڈ کو پنالٹی شوٹ

یوروپین کپ میں پہلی آٹھ پوزیشن حاصل کرنے والی ٹیمیں

	ٹیم	میچ	جیتے	برابر	ہارے	گول کیے	خلاف ہوئے	فتح کا تناسب
1	اٹلی (5)	7	5	2	-	13	4	71.4 فیصد
2	انگلینڈ (13)	7	5	2	-	12	2	71.42 فیصد
3	اسپین (10)	6	2	4	-	13	6	66.66 فیصد
4	ڈنمارک (6)	6	3	-	3	12	7	50.00 فیصد
5	بلجیم (6)	5	4	-	1	9	3	80.00 فیصد
6	چیک ری پبلک (21)	5	3	1	1	6	4	70.00 فیصد
7	سوئٹزرلینڈ (11)	5	1	3	1	8	9	50.00 فیصد
8	یوکرین (24)	5	2	-	3	6	10	40.00 فیصد

** انٹرنیشنل فٹ بال ایسوسی ایشن کے قوانین کے مطابق پنالٹی شوٹ میں ہوئی جیت اور ہار کو نہیں مانا جاتا بلکہ اس میچ کو ریکارڈ میں برابر مانا جاتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ نے فرانس اور اسپین کے خلاف اور اٹلی نے اسپین اور انگلینڈ کے خلاف پنالٹی شوٹ آوٹ میں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ گزشتہ یورپین کپ کی پوزیشن بریکٹس میں دی ہیں۔

آوٹ میں 1-3 سے شکست دے کر آخری چار ٹیموں میں جگہ بنائی تھی۔ مقررہ اور فاضل وقت کے بعد دونوں ٹیمیں 1–1 گول سے برابر تھیں۔ دوسرے کوارٹر فائنل میں اٹلی نے بلجیم کو 1-2 سے شکست دی۔ تیسرے کوارٹر فائنل میں ڈنمارک نے چیک ری پبلک کو 1-2 سے ہرایا تھا۔ انگلینڈ نے چوتھے کوارٹر فائنل میں یوکرین کو 0-4 سے شکست دے کر سیمی فائنل میں جگہ بنائی تھی۔

پہلے سیمی فائنل میں اٹلی پنالٹی شوٹ آوٹ میں اسپین کو 2–4 سے شکست دے کر چوتھی مرتبہ فائنل میں پہنچی۔ 90 منٹ کے مقررہ وقت اور 30 منٹ کے فاضل وقت کے بعد دونوں ٹیمیں 1–1 سے برابر تھیں۔

انگلینڈ دوسرے سیمی فائنل میں ڈنمارک کو فاضل وقت میں ایک کے مقابلے دو گول سے شکست دے کر پہلی مرتبہ یوروپین کپ کے فائنل میں پہنچی۔ مقررہ وقت تک دونوں ٹیمیں 1–1 سے برابر تھیں۔ انگلینڈ نے 1966 میں عالمی کپ جیتنے کے بعد پہلی مرتبہ کسی بڑے ٹورنامنٹ کے فائنل میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔

اٹلی نے 67,173 تماشائیوں کی موجودگی میں انگلینڈ کو پنالٹی شوٹ آوٹ میں 2–3 سے شکست دی۔ مقررہ وقت تک دونوں ٹیمیں 1–1 سے برابر تھی۔ فاضل وقت میں کوئی گول نہیں ہوا۔ اس لیے پنالٹی شوٹ کے ذریعے فائنل میچ کا فیصلہ کیا گیا۔

یوروپین کپ میں گولوں کا نیا ریکارڈ

اس یوروپین کپ میں 51 میچوں میں 2.78 کی اوسط کے ساتھ 142 گول اسکور ہوئے جو ایک ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ گول ہیں۔ لیگ میں 36 میچوں میں 94، دوسرے راونڈ کے آٹھ میچوں میں 29، چار کوارٹر فائنل میچوں میں 12، دو سیمی فائنل میچوں میں پانچ اور فائنل میں دو گول

ہوئے۔ اس ٹورنامنٹ میں 4830 منٹوں میں 142 گول اسکور کئے گئے یعنی ہر 34 منٹ میں ایک گول مارا گیا۔

اس سے پہلے ایک یوروپین کپ میں سب سے زیادہ گول پچھلے ٹورنامنٹ میں مارے گئے تھے۔ فرانس میں 2016 میں ہوئے ٹورنامنٹ میں 51 میچوں میں 2.11 کی اوسط کے ساتھ 108 گول اسکور ہوئے تھے۔ لیگ میں 36 میچوں میں 69، دوسرے راونڈ کے آٹھ میچوں میں 19، چار کوارٹر فائنل میچوں میں 15، دوسیمی فائنل میچوں میں چار اور فائنل میں ایک گول ہوا۔ اس ٹورنامنٹ 4740 منٹوں میں 108 گول مارے گئے یعنی ہر 44 منٹ میں ایک گول مارا گیا۔

پولینڈ اور یوکرین میں مشترکہ طور پر 2012 میں ہوئے یوروپین کپ میں 31 میچوں میں 2.45 کی اوسط کے ساتھ 76 گول اسکور ہوئے تھے۔ لیگ میں 24 میچوں میں 60، چار کوارٹر فائنل میچوں میں نو، دوسیمی فائنل میچوں میں تین اور فائنل میں چار گول ہوئے تھے۔

اس سے پہلے 2008 میں جب یوروپین کپ آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ میں مشترکہ طور پر ہوا تھا تو 31 میچوں میں 2.48 کی اوسط کے ساتھ 77 گول اسکور ہوئے تھے۔ لیگ میں 24 میچوں میں 57، چار کوارٹر فائنل میچوں میں گیارہ، دوسیمی فائنل میچوں میں آٹھ اور فائنل میں ایک گول مارا گیا۔

اس مرتبہ 80 کھلاڑیوں نے گول اسکور کیے جو گذشتہ مرتبہ کے 79 کھلاڑیوں سے ایک زیادہ ہے۔ پرتگال کے کپتان کرسٹیانو رونالڈو نے چار میچوں میں 391 منٹ کھیل کر پانچ گول کیے۔ انھوں نے نے ایک گول کرنے میں مدد بھی دی اس لیے ان کو گولڈن بوٹ دیا گیا۔ چیک ری پبلک کے فارورڈ پیٹرک شیک نے پانچ میچوں میں 416 منٹ کھیل کر پانچ ہی گول کئے ان کو سلور بوٹ ملا۔ بلجیم کے روملو کوکاکو، انگلینڈ کے ہنری کین، فرانس کے کریم بنزیما اور سوئیڈن کے ایمل فورسبرگ چار چار گولوں کے ساتھ مشترکہ طور پر تیسرے مقام پر ہے۔ ان میں سے برونس بوٹ کریم بنزیما کے حصے میں آیا جنھوں نے 369 منٹ میں چار میچوں میں یہ چار گول مارے۔ کوئی بھی کھلاڑی اس ٹورنامنٹ میں ہیٹ ٹرک بنانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ چودہ کھلاڑیوں نے ایک میچ میں دو گول اسکور کیے۔

اس مرتبہ سیلف گولوں کی تعداد یعنی اپنی ہی ٹیم پر گول، گیارہ رہی۔ اس سے پہلے ہوئے تمام یوروپین کپ میں کل ملاکر نو سیلف گول ہوئے تھے۔ اس سے پہلے ایک ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ سیلف گولوں کا ریکارڈ تین گول کا تھا جو فرانس میں 2016 میں ہوئے ٹورنامنٹ میں قائم ہوا تھا۔

سب سے زیادہ گول اٹلی اور اسپین نے کیے۔ اٹلی نے سات میچوں میں 13 گول کیے جبکہ اسپین نے اتنے ہی گول چھ میچوں میں مارے۔

فن لینڈ، ترکی اور اسکاٹ لینڈ نے سب سے کم گول مارے۔ ان تینوں ٹیموں نے تین میچوں میں ایک ایک گول مارا۔ سب سے زیادہ گول یوکرین کے خلاف ہوئے۔ اس کے خلاف پانچ میچوں میں دس گول ہوئے۔ انگلینڈ کے خلاف سات میچوں میں صرف دو گول مارے گئے جو کسی ٹیم کے خلاف سب سے کم گول تھے۔

پرویز قیصرکا سوانحی تعارف مارچ 2021 کے شمارے میں شائع ھو چکا ھے۔

■

S. Pervez Qaiser
1433 Qasim Jan Street
Ballimaran
Delhi - 110006

کرامت علی کرامت

جادوئی مربع
(Magic Square)

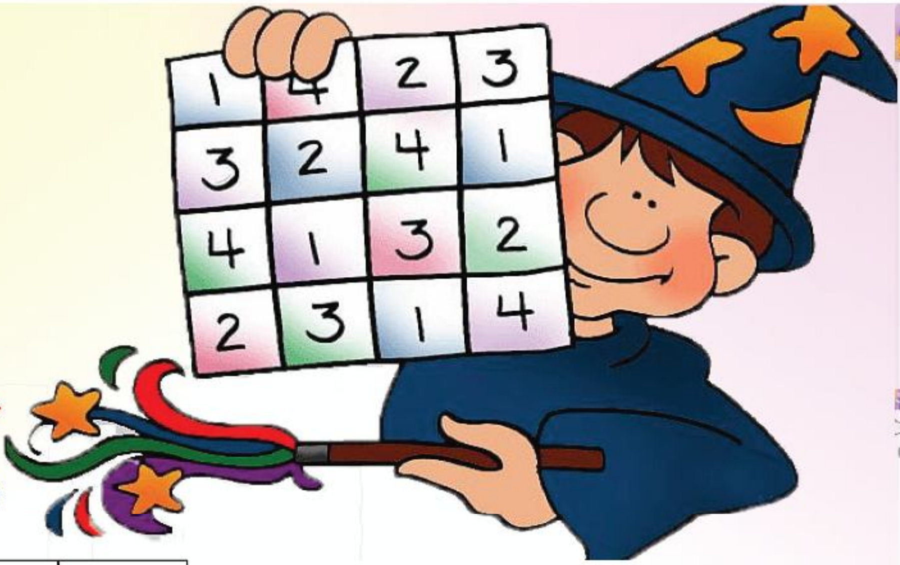

ایک مربع لے کر اسے افقی (Horizontal) اور عمودی (Vertical) لکیروں کے ذریعے 3x3=9 چھوٹے چھوٹے خانوں میں تقسیم کردیا جائے۔ ان خانوں میں '1' سے لے کر '9' تک کے عددوں کو اس طرح بھریے، جیسے دائیں سے بائیں--- اوپر سے نیچے تو کونے سے کونے کے عددوں کو جوڑنے سے ایک ہی عدد حاصل ہوگا۔

بھرنے کا طریقہ:

1 سب سے اوپر خانوں کے بیچ کے خانے میں 1 لکھیے۔

2 اس سے ٹھیک نیچے آکر اس کے دائیں طرف کے خانے میں 2 لکھیے۔

3 یہاں یہ خانہ عمودی لکیر کو چھوتا ہے۔ اس خانے کے بائیں طرف جاکر ایک گھر اوپر اٹھیے۔ اس خانے میں 3 لکھیے۔

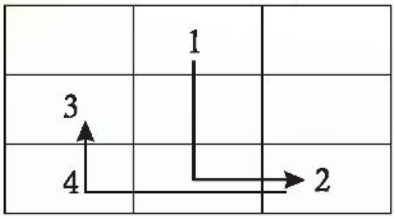

4 اس کے بعد سے ترچھے انداز میں آگے بڑھنا تھا لیکن وہاں پہلے سے 1 موجود ہے۔

اس لیے اس کے نیچے کے خانے میں 4 لکھیے۔ پھر ترچھے انداز میں 4، 5، 6 لکھ ڈالیے۔ اب ترچھے انداز میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس لیے اس کے نیچے والے خانے میں 7 لکھیے۔

5 اب اس خانے کے بائیں طرف جاکر اس کے اوپر والے خانے میں 8 لکھیے۔

8 کے سب سے نیچے والے خانے کے دائیں طرف 9 لکھیے۔

بڑے مربع کے تمام خانے اس طرح بھرے ہوئے ملیں گے۔

15	6	1	8	
15	7	5	3	
15	2	9	4	
15	15	15	15	15

جس طرح بھی عددوں کو جوڑا جائے گا تو ایک ہی عدد 15 ملے گا۔ اس قسم کے مربع کو جادوئی مربع (Magic Square) کہا جاتا ہے۔

3 کے بجائے کسی بھی طاق (Odd) عدد کو لے کر اسی طرح کا جادوئی مربع بنایا جاسکتا ہے۔ صرف اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ (1) اوپر کے خانے کے بعد اس کے ٹھیک نیچے کے ایک گھر دائیں، اگلا عدد لکھا جائے گا (2) عمودی لکیر سے لگے ہوئے خانے میں پہنچ کر بائیں طرف کے آخری خانے کے ایک گھر اوپر والے خانے میں اگلا عدد لکھنا ہوگا (3) اس کے بعد چال ترچھے انداز میں اوپر کو ہوگی۔ اگر راستے میں پہلے سے کوئی عدد موجود ہو تو ایک گھر نیچے اتر کر پھر سے ترچھی چال میں چلنا ہوگا۔

اس طرح تمام خانے بھر جائیں تو جادوئی مربع بن گیا۔ چلیے ہم 5x6 یعنی 25 خانوں والے مربع کو 1 سے 25 تک کے عددوں سے بھر کر ایک جادوئی مربع بنائیں۔

15	8	1	24	17
16	14	7	5	23
22	20	13	6	4
3	21	19	12	10
9	2	25	18	11

یہاں غور کرنے کی بات ہے 5 کے ترچھے خانے میں پہلے سے ایک عدد '1' موجود ہے اس لیے ایک گھر نیچے اتر کر پھر ترچھی چال چلی گئی ہے۔ اسی طرح 10 کے ترچھے گھر میں پہلے سے 6 موجود ہے۔ اس لیے ایک گھر نیچے اتر کر پھر سے ترچھی چال چلی گئی ہے۔ اسی طرح 20 تک پہنچنے پر اس کے ترچھے گھر میں پہلے سے 16 موجود ہے۔ اس لیے ایک گھر نیچے اتر کر پھر سے ترچھی چال چلی گئی ہے۔ غور کیجیے کہ 25 خانوں والے جادوئی مربع میں ہمیں ایسی صورت حال سے سامنا کرنا نہیں پڑا تھا۔ مندرجۂ بالا جادوئی مربع میں اوپر سے نیچے، دائیں سے بائیں یا کونے سے کونے تک کے اعداد کو ملانے سے 65 ملے گا۔ ہے نا یہ دلچسپ مشغلہ؟

آپ کے لیے کام: 7x7 = 49 خانوں والے اور 9x9=81 خانوں والے جادوئی مربع بنائیے۔ اوپر سے نیچے، دائیں سے بائیں اور کونے سے کونا والے اعداد کو جوڑ کر دیکھیے، آپ ایک ہی عدد حاصل کرتے ہیں کہ نہیں۔

■

Prof. Karamat Ali Karamat
Rahmat Ali Building, Diwan Bazar
Cuttack - 753001 (Odhisha)
Mob.: 9861579171

اسلم جمشید پوری

ہم تم دوست ہوئے

اردو میں ادب اطفال کی تخلیق کے سلسلے میں بتدریج کمی آئی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب متعدد ادبا و شعرا کی شہرت ادب اطفال کے حوالے سے ہوتی تھی۔ ساتھ ساتھ تقریباً سبھی بڑے ادیب و شاعر بچوں کے لیے بھی لکھا کرتے تھے لیکن آج خصوصاً نئی صدی میں بچّوں کے لیے لکھنے والوں کی تعداد خاصی کم ہوئی ہے۔ جب کہ نئی صدی میں بچوں کی ذہنی تربیت اور اخلاقی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنس اور دیگر موضوعات پر صحیح رہنمائی ہونی چاہیے۔

منصور صفدر نقوی کی زیر تصنیف ’ہم تم دوست ہوئے‘ اس جانب ایک اہم قدم ہے۔ منصور صفدر نقوی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے وقت کے اس اہم تقاضے کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنے قلم سے اس کا تدارک بھی پیش کیا۔

’ہم تم دوست ہوئے‘ آج کے اہم ترین موضوع ماحولیات کا تحفظ کے تحت تحریر کردہ کہانی ہے۔ دلچسپ پیرائے میں طالب علموں کو سائنسی تعلیم کے ساتھ ساتھ پیڑ پودوں سے ہمدردی اور انھیں دوست بنانے کی ترغیب دینے والی ایک بے حد اہم کہانی ہے۔ تصویری کہانی میں مصنّف نے عقلی دلائل کے ساتھ بچوں کو سائنس کی ایسی تعلیم دی ہے جو ان کے ذہن پر نقش رہے گی۔ کتاب کی سب سے اہم خوبی اس کا طرز بیان ہے۔

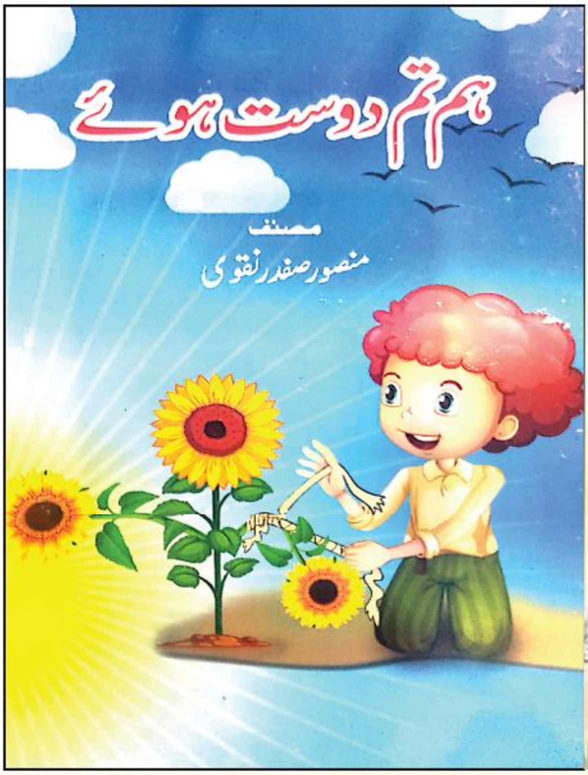

ہم تم دوست ہوئے، مصنف: منصور صفدر نقوی، قیمت: 200 روپے، سنہ اشاعت:2018

اس کہانی کے ذریعہ منصور صفدر نقوی نے بچوں میں پیڑ پودوں کے تئیں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور بچوں کو یہ بھی سکھایا ہے کہ پیڑ پودے بھی انسانوں کی طرح زندہ ہوتے ہیں۔ ان میں بھی زندگی ہوتی ہے۔ وہ ہم انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور سانس لیتے ہیں۔

’ہم تم دوست ہوئے‘ دراصل پانچ چھ بچوں راجو، چنّو، منّو، فیض اور ببلو نام کے بچّوں کے گروپ کی کہانی ہے۔ آج کا

مقبول کھیل کرکٹ سے کہانی شروع ہوتی ہے۔ یہ تمام دوست گھر کے آنگن میں کرکٹ کھیل رہے ہیں۔ آنگن کا تین چوتھائی حصہ اینٹ کا بنا ہوا ہے۔ باقی حصے میں حِنا نے پھول پودے لگا رکھے ہیں۔ جس میں کہیں گیندا تو کہیں گلاب اور چمیلی کا پھول تو کہیں سورج مکھی کا پھول اپنی بہاریں دکھا رہے ہیں۔ بچوں نے کرکٹ میں شور شرابا مچا رکھا ہے۔ ایک بال (گیند) اچھل کر فیض کی طرف آتی ہے۔ سبھی دوست کیچ پکڑ پکڑ چلّاتے ہیں لیکن فیض سے کیچ چھوٹ جاتا ہے اور بال پاس کی کیاری میں چلی جاتی ہے جہاں سورج مکھی کا ایک پودا مسکرا رہا ہے۔ فیض کو جھنجھلاہٹ اور غصے میں ایسا لگا جیسے سورج مکھی کا پودا بھی اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ اس نے غصّے میں آ کر گیند اٹھائی اور سورج مکھی کی ایک ٹہنی بھی توڑ دی۔ اس عمل سے اس کو کچھ اطمینان ہوا لیکن اتفاق سے حنا اسی وقت ادھر سے گزرتی ہے۔ اس نے فیض کو پودے کی ٹہنی توڑتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔

چوری پکڑے جانے پر فیض گھبرا اور کھسیا گیا تھا۔ اس کے منھ سے حنا کی تنبیہ پر یہ جملہ نکلا۔ ''بے چارہ پودا''۔ ابھی فیض اور حِنا کی بات ہو ہی رہی تھی کہ اس کے سارے دوست جمع ہو گئے اور فیض کے ساتھ سبھی ہنسی میں جمع ہو گئے۔ جب حِنا نے یہ کہا ''تم نے اس کی ٹہنی توڑ دی...... اسے کتنی تکلیف ہوئی ہوگی...... پتہ ہے تمھیں اور پھر اس کو لولا اور ٹنٹا بھی کہا۔'' سارے دوست اب سنجیدہ ہو گئے تھے اور وہ سب کے سب حِنا جوان سے بڑی تھی اور سب اسے بجیا کہتے تھے۔ بولی کہ اگر کوئی تمھارا ہاتھ مروڑ دے تو تم کو تکلیف نہیں ہوگی؟ اس طرح پودے کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

''زندہ چیز...... یہ پودا اور زندہ چیز......'' ہنستے ہوئے۔

''کیا پودے بھی زندہ ہوتے ہیں......؟''

حِنا نے پوچھا...... ''تمھارا خیال ہے...... پیڑ پودے زندہ نہیں ہوتے......؟''

راجو بیچ میں بول پڑا......

''مطلب پودے بھی سانس لیتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں......؟''

(ہم تم دوست ہوئے، منصور نقوی، ص 11، 2018)

فیض اور اس کے دوستوں کو حِنا کی یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ پودے بھی جاندار ہوتے ہیں۔ زندہ انسانوں کی طرح ہوتے ہیں اور انھیں بھی چوٹ لگنے پر انسانوں کی طرح چوٹ لگتی ہے اور ساتھ ہی وہ اس بات پر بھی حیران تھے کہ پودے سانس بھی لیتے ہیں۔ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ سبھی دوستوں نے فراز بھائی سے اس بارے میں بات کرنے کا منصوبہ بنایا۔ فراز بوٹنی یعنی علم نباتات میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے تھے۔ سب کے سب فراز بھائی کے پاس پہنچے اور انھوں نے کرکٹ کھیلتے وقت جو واقعہ پیش آیا تھا وہ ان کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا کہ فراز بھائی ہمیں آپ ہی سمجھائیے کہ کیا واقعی پیڑ پودے سانس لیتے ہیں اور ہماری تمھاری طرح زندہ ہوتے ہیں۔

اس پر فراز پہلے تو مسکرائے بعد میں سبھی بچّوں کو جمع کر کے بتانے لگے کہ کس طرح ہم لوگ سانس میں آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائڈ چھوڑتے ہیں اور آکسیجن کس طرح ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔ آکسیجن میں تمام انسانوں اور جانوروں کے لیے زندگی بھری ہوتی ہے۔ ہم آکسیجن سانس میں لیتے ہیں جو ہمارے پھیپھڑوں میں بھر جاتی ہے۔ پھر یہ گیس ہمارے خون کو صاف کرتی ہے اور خراب گیس جسے کاربن ڈائی آکسائڈ کہا جاتا ہے ہمارے جسم سے خارج ہو جاتی ہے۔ قدرت نے پوری کائنات میں

آکسیجن کی خاص مقدار کو بنائے رکھنے کے لیے پورا ایک نظام بنایا ہے جس کے تحت پودے کاربن ڈائی آکسائڈ سانس کے ذریعے لیتے ہیں اور آکسیجن چھوڑتے ہیں۔ ایسا کرتے وقت وہ ہم انسانوں اور جانوروں کو زندگی عطا کرتے ہیں۔

”قدرت نے یہ نظام بنایا کہ اگر سب ہی زندہ چیزیں سانس لینے کے دوران آکسیجن کا استعمال کرتی رہیں تو ایک دن آکسیجن ختم اور پھر سب کچھ ختم...... تو اس کے نظام کے تحت...... سارے پیڑ پودے سانس لیتے ہیں۔ کاربن ڈائی آکسائڈ گیس کو اندر لیتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ یعنی کاربن ڈائی آکسائڈ میں سے کاربن پودوں کا کھانا بنانے کے کام میں آجاتی ہے اور آکسیجن بچ جاتی ہے اور یہ پیڑ پودے پھر واپس آکسیجن ہوا میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح آکسیجن ہوا میں موجود رہتی ہے اور کبھی آکسیجن ختم نہیں ہوتی۔“

(ہم تم دوست ہوے، منصور نقوی، ص 22-21، 2018)

آکسیجن کم نہ پڑے اسی لیے پیڑ پودے زیادہ سے زیادہ لگانے چاہئیں تاکہ پیڑ پودے ہماری چھوڑی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ کو لے کر آکسیجن ہمیں واپس دیں۔ اس سے زندگی کا ایک نظام قائم رہتا ہے۔ اس پر سب لڑکے ایک ساتھ بولے اس کا مطلب ہے پودے بھی زندہ ہوتے ہیں۔ فیض کچھ اداس سا بیٹھا تھا۔ بار بار اسے یہی خیال ستا رہا تھا کہ اس نے ایک جاندار کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔

فیض بہت ڈرا ہوا تھا۔ کھانا کھا کر وہ سونے کے لیے بستر پر چلا گیا۔ رات کو اس نے بہت بھیانک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ چاروں طرف ایک جنگل ہے اور جنگل میں پیڑوں کی عدالت لگی ہوئی ہے۔ اسے کیکٹس کے پودے گھسیٹ کر عدالت میں لاتے ہیں۔ وہ چلاّ رہا ہے لیکن کوئی اس کی سنتا نہیں اور عدالتی کارروائی شروع ہو جاتی ہے۔

بوڑھا برگد جو جسٹس کا کردار ادا کر رہا ہے، نے سورج مکھی کی بات کہ اس لڑکے نے میرا ایک ہاتھ توڑ دیا ہے۔ غور سے سنی۔ سارے بیانات سننے کے بعد برگد نے فیصلہ سنایا۔ فیض یہ سارا معاملہ آنکھیں پھاڑے دیکھ اور سن رہا تھا۔ تبھی اس کے کانوں سے بوڑھے برگد کا فیصلہ ٹکرایا۔ بوڑھے برگد نے یوں تو بہت ساری باتیں کہیں لیکن فیصلہ کن انداز میں ادا کیا گیا جملہ فیض کے کانوں میں گونجتا رہا۔

”اس لڑکے کا ایک ہاتھ توڑ دیا جائے۔“

فیض اپنی حرکت اور عمل پر نادم تھا۔ اور اس نے سورج مکھی کے پودے کی ٹوٹی ہوئی شاخ کو رومال سے باندھ دیا۔ یعنی اس نے اس ننھے پودے سے دوستی کر لی اور اب وہ اس کا خیال رکھنے لگا۔

منصور صفدر نقوی نے بہت ہی سادہ اور آسان زبان میں کہانی لکھ کر بچّوں کو ماحولیات کے تحفظ کا اچھا سبق دیا ہے۔ کتاب ”ہم تم دوست ہوئے“ رنگین تصاویر سے سجی ہوئی بھی ہے اور بچّوں کو کھیل کھیل میں زندگی کا سبق سکھاتی ہے۔ خاص کر پودوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنے کا جذبہ بچوں کے اندر پیدا کرتی ہے۔ ساتھ ہی بچّوں پر یہ بھی واضح کرتی ہے کہ پیڑ پودے بھی ہم سب انسانوں کی طرح ہیں جو کھاتے پیتے اور سانس بھی لیتے ہیں۔ مصنف اس بامقصد کہانی کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

■

Prof. Aslam Jamshedpuri
Dept Of Urdu
Choudhary Charan Singh University
Ramgarhi
Meerut - 250001(U.P)

حقانی القاسمی

بچوں کا ماہنامہ

پھول

پیارے بچو! پہلے کبھی بچوں کے لیے کھلونا، غنچہ، ٹافی وغیرہ وغیرہ رسالے شائع ہوا کرتے تھے جو بچوں کو بہت پسند تھے۔ بہت سے بچوں نے تو نہ صرف ان رسالوں سے اردو سیکھی بلکہ آگے چل کر بڑے قلمکار بھی بنے۔ آج بھی امنگ، گل بوٹے، پیامِ تعلیم، گلشن اطفال، باغیچہ، روشن ستارے، بچوں کی دنیا جیسے ماہنامے بچوں کے لیے نکلتے ہیں اور ان رسالوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں بچوں کی دلچسپی کا بھرپور مواد ہوتا ہے۔ ان رسالوں کے ذریعے بچوں کا ذہنی افق بھی وسیع ہوتا ہے اور معلومات عامہ میں اضافہ بھی۔ ان میں شامل تحریریں دیکھ کر بچوں کے اندر لکھنے کی تحریک اور ترغیب پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح کا ایک رسالہ ماہنامہ 'پھول' بھی ہے جو بھٹکل کرناٹک سے شائع ہوتا ہے۔ مختصر عرصے میں اس رسالے نے اپنی ایک الگ پہچان قائم کی ہے۔ اس رسالے کا بنیادی مقصد بچوں میں علمی، ادبی ذوق پیدا کرنا، معیاری اور اخلاقی ادب کے ذریعے ان کی ذہنی تربیت کرنا بھی ہے۔ اس کا تازہ شمارہ ایک ایسی شخصیت کے حوالے سے ہے جس نے بچوں کی ذہنی تربیت میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ آپ میں سے بہتوں نے رامپور اتر پردیش سے شائع ہونے والے 'نور' اور 'ہلال' جیسے رسالوں کا نام سنا ہوگا۔ یہ دونوں بچوں کے ہی رسالے تھے اور ان دونوں رسالوں کے پڑھنے والوں کا بہت بڑا حلقہ بھی تھا۔ بچوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے ان دونوں رسالوں میں کچھ ایسے تجربے بھی کیے گئے جو بچوں کو بہت پسند آئے۔

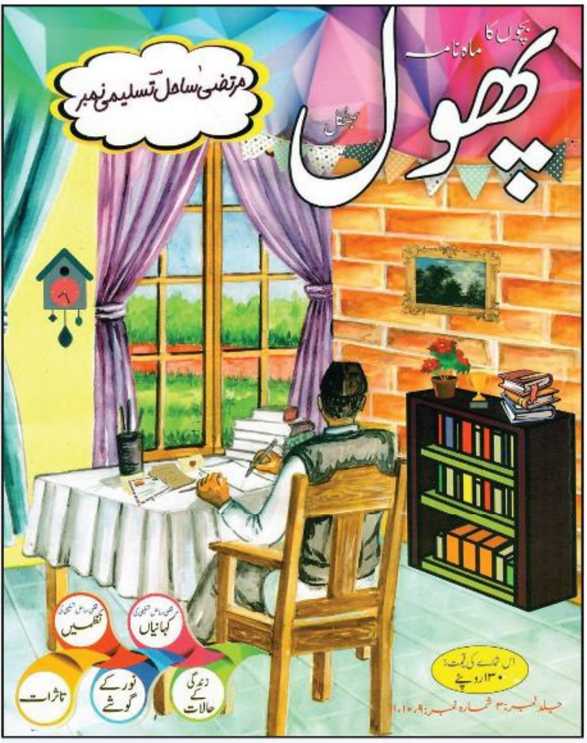

'پھول'، مدیر اعلی: مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی، مدیر: عبداللہ غازی دامدا ابوندوی صفحات: 149، قیمت: 130 روپے، سنہ اشاعت: 2021

بچو! آپ کو پتہ ہے کہ یہ تجربے کس شخص نے کیے تھے۔ اس شخص کا نام مرتضٰی سلیم خان ہے جو ادبی دنیا میں مرتضی ساحل تسلیمی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ساحل صاحب ماہنامہ 'نور' (سنہ اجرا 1952)، ماہنامہ 'ہلال' (سنہ اجرا 1973) ان دونوں رسالوں کی ادارت سے وابستہ تھے۔ اس کے بانی اور مالک یوں تو مولانا ابوسلیم عبدالحی تھے جن کا ادارہ 'الحسنات' ہندوستان کے اہم اشاعتی اداروں میں سے ہے۔ اس ادارے نے دینیات، ادبیات کا بیش بہا خزانہ بچوں اور بڑوں کو دیا ہے۔ بچوں کی ذہنی اور فکری تعمیر و تشکیل میں اس ادارے کے ساتھ ساتھ یہاں سے شائع ہونے والے رسالوں کا بھی بہت فعال کردار رہا ہے۔ مرتضٰی ساحل تسلیمی جب یہاں کے رسالوں سے وابستہ ہوئے تو انھوں نے ان رسالوں میں ایسے گوشے نکالے کہ بچوں کی دلچسپی بڑھتی گئی، خاص طور پر قلمی

دوستی، لطیفے، ریڈیو نورستان یہ بہت ہی اہم اور خوبصورت تجربے تھے۔ اس کی وجہ سے ان رسالوں میں بچوں کی دلچسپی مزید بڑھی۔

مرتضٰی ساحل تسلیمی کا شمار بچوں کے بڑے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بہت سی کہانیاں اور نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی بہت سی کتابیں نقلی سورما، شام کا بھولا، نرم ٹہنی، نصیحتوں کے چراغ بہت مشہور ہیں۔ گذشتہ سال 21 اگست 2020 کو ادب اطفال کی اس عظیم شخصیت کا انتقال ہوگیا۔ یہ ادب اطفال کا ناقابل تلافی نقصان تھا جسے ادب اطفال سے جڑے ہوئے لوگوں نے شدت سے محسوس کیا۔ اسی لیے ان کی ادبی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ماہنامہ 'پھول' بھٹکل کے اراکین نے 'مرتضٰی ساحل تسلیمی نمبر' کی صورت میں ایک شمارہ شائع کیا ہے جس میں ان کے حوالے سے بہت سے قلمکاروں کی تحریریں ہیں تو وہیں مرتضٰی ساحل تسلیمی کی کہانیاں، کلام، اداریے اور دیگر چیزیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ ماہنامہ 'پھول' بھٹکل کی یہ قابل قدر کوشش ہے کیونکہ ادب اطفال سے جڑے ہوئے بیشتر قلمکاروں کا یہ شکوہ رہا ہے کہ انھیں نظرانداز کیا جاتا ہے۔ ماہنامہ 'پھول' نے نہ صرف اس شکایت کا ازالہ کیا بلکہ مرتضٰی ساحل تسلیمی کی شخصیت سے بچوں اور بڑوں کو روشناس کرانے کی اچھی کوشش کی ہے اور یہی روش ادب اطفال کے بیشتر رسالوں کو اختیار کرنی چاہیے کہ وہ بچوں کے زندہ اور مرحوم ادیبوں سے نہ صرف واقف کرائیں بلکہ بچوں کو یہ احساس بھی دلائیں کہ یہ ادیب ان کے لیے رہنما اور مشعل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بچو! یہ شمارہ اس لیے بھی آپ لوگوں کے لیے بہت مفید ہے کہ اس میں مرتضٰی ساحل تسلیمی کی بھولو راجا، ترکیب، خالی گولک، ایماندار لڑکی، باپ کی نصیحت، لڈو کی چوری، ڈاکٹر بندر، ایمانداری، نفع کا سودا اور وعدہ جیسی کہانیاں ہیں۔ یہ کہانیاں بہت سے بچوں کی نظر سے نہیں گزری ہوں گی اس لیے ان کہانیوں کا انتخاب آپ کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی طرح مرتضٰی ساحل تسلیمی کا منتخب کلام بھی شامل ہے۔ اس سے بچوں کو یہ اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ مرتضٰی ساحل تسلیمی بچوں کے ذوق اور دلچسپیوں کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس رسالے میں 'ایسے رہا کرو کہ زمانہ مثال دے' کے عنوان کے تحت مرتضٰی ساحل تسلیمی کی شخصیت کے حوالے سے بہت سے لوگوں کی تعزیتی تحریریں شامل ہیں۔ الیاس ندوی، میراں معظم شاہ بندری ندوی، سعدیہ سلیم شمسی، عبدالباری وسیم، شاد اعظمی ندوی، خان حسنین عاقب، ارشاد علی ندوی، سراج الدین ندوی، متین اچل پوری، سراج عظیم، ناصر سعید اکرمی، فاروق سید، مجید عارف، عمران مشتاق، جاوید نسیمی، رونق جمال، بانو سرتاج، ظہیر قدسی، پرویز اشرفی، احتشام الحق آفاقی، رضی الاسلام ندوی، محمد رفیع الدین مجاہد کی تحریریں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ساحل مرحوم کی شریک حیات اور بچوں کے تاثرات بھی شائع کیے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرتضٰی ساحل تسلیمی صرف بڑے ادیب ہی نہیں بلکہ ایک اچھے انسان بھی تھے جنھوں نے اپنے بچوں کا بھی خیال رکھا، انھیں اعلیٰ تعلیم دلائی اور ان کی ہر ضرورت کی تکمیل کی۔ کچھ لوگوں نے منظوم خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہے جن میں حافظ کرناٹکی، متین اچل پوری، حیدر بیابانی، مجاہد لکھیم پوری، احمد حاطب صدیقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

■

Haqqani Al-Qasmi
B-145/8, 4th Floor, Thokar No.: 8
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Cell.: 9891726444

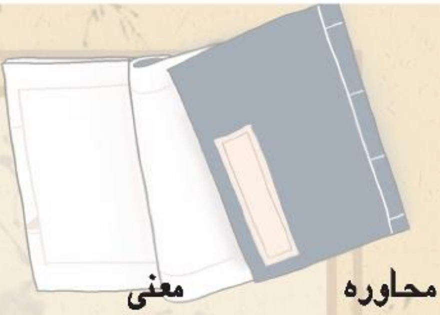

محاورے

محاورہ	معنی
طرح ڈالنا	بنیاد رکھنا
عرش پر دماغ ہونا	مغرور ہونا
تین پانچ کرنا	جھگڑا کرنا
تھالی کا بینگن	بے اصول آدمی
الٹی گنگا بہانی	رواج کے خلاف چلنا
دانے دانے کو محتاج ہونا	بہت غریب آدمی
پھولے نہ سمانا	بہت خوش ہونا
آپے سے باہر ہونا	بہت زیادہ غصہ ہونا
باغ باغ ہونا	نہایت خوش ہونا
آٹھ آٹھ آنسو رونا	زاروقطار رونا
اینٹ سے اینٹ بجانا	تباہ و برباد کردینا
جتنے منہ اتنی باتیں	سب کا الگ الگ خیال
بال کی کھال اتارنا	زیادہ چھان بین کرنا
ترکی بہ ترکی جواب دینا	دندان شکن جواب دینا
تنکے کا پہاڑ بنانا	مبالغہ سے کام لینا
حرف آنا	بدنامی ہونا
حقہ پانی بند کرنا	قطع تعلق کرنا
خون سفید ہونا	محبت نہ ہونا
خدا لگتی کہنا	سچی بات کہنا
خدا سے لو لگانا	خدا سے محبت کرنا
دریا کو کوزے میں بند کرنا	تھوڑے لفظوں میں زیادہ بیان کرنا
دل بھر آنا	آنکھوں میں آنسو آنا

دال میں کالا ہونا	شک وشبہ ہونا
دل میں گھر کرنا	دل موہ لینا
ڈنکے کی چوٹ کہنا	اعلانیہ کہنا
رائی کا پہاڑ بنانا	بات کو بڑھا کر پیش کرنا
رات آنکھوں میں کاٹنا	مصیبت میں جاگنا
رنگ جمانا	سکہ بٹھانا، اپنا اثر قائم کرنا
سورج کو چراغ دینا	عقلمند کو نصیحت کرنا
سبز باغ دکھانا	فریب دینا
سانپ سونگھ جانا	بے حس ہونا
شیطان کی آنت ہونا	بہت لمبا ہونا
شگوفہ چھوڑنا	افواہ اڑانا
شیر وشکر ہونا	گھل مل جانا
صاحب فراش ہونا	بیمار ہو کر بستر پر پڑے رہنا
صلواتیں سنانا	گالی دینا
صبر کا پیمانہ لبریز ہونا	برداشت سے باہر ہونا
ہاتھوں کے طوطے اڑ جانا	بدحواس ہونا
عرش کے تارے توڑنا	ناممکن کام کرنا
عقل پر پتھر پڑنا	سمجھ میں نہ آنا
عش عش کرنا	بہت تعریف کرنا
غم غلط کرنا	دل بہلانا
غبار نکالنا	دل کی بھڑاس نکالنا
غنیمت سمجھنا	فائدہ اٹھانا

انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع سے ماخوذ

معلومات عامہ

دنیا میں سب سے بڑا انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا اعزاز نوبل پرائز ہے۔

آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب بڑا برِ اعظم ایشیا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک انڈونیشیا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا خشکی کا پرندہ شتر مرغ ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا پھول رافیلیا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا گھونسلہ عقاب کا ہوتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا دریا (طاس) امیزون ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن گرینڈ سینٹرل ٹرمینل نیویارک ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا سمندر بحرالکاہل ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا شہر ٹوکیو (جاپان) ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر (میوزیم) نیویارک (امریکہ) میں ہے۔

آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک چین ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا نہری نظام پاکستان کا ہے۔

کائنات میں سب سے بڑا سیارہ مشتری ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی بحری فوج امریکہ کی ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی برّی فوج چین کی ریڈ آرمی ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی لائبریری آف کانگریس، نیویارک ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی مچھلی وہیل ہے۔

دنیا میں سب سے بڑے کھیل اولمپک کے ہوتے ہیں۔

دنیا میں سس سے تیز بڑھنے والا پودا مانس ہے۔

کائنات میں سب سے تیز رفتار سیارہ عطارد ہے۔

دنیا کا سب سے چھوٹا برِ اعظم آسٹریلیا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ امیر ملک سوئٹزر لینڈ ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ بارش چراپونجی (بھارت) میں ہوتی ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ بینک کی شاخیں اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی ہیں۔

دنیا کا سب سے زیادہ غریب ملک رَوانڈا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ فلمیں بنانے والا ملک بھارت ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ بجلی امریکہ میں پیدا کی جاتی ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ سیمنٹ چین میں بنایا جاتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ کاریں جاپان میں بنائی جاتی ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ المونیم امریکہ میں پایا جاتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ خام تیل سعودی عرب میں نکالا جاتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ کوئلہ چین میں نکالا جاتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ کاغذ امریکہ میں تیار کیا جاتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ روشن سیارہ زہرہ ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ غیر آباد براعظم انٹارکٹکا ہے۔

دنیا کی سب سے قدیم تحریری زبان چینی ہے۔

دنیا میں سب سے لمبا پلیٹ فارم کھڑک پور، بھارت میں ہے۔

دنیا میں سب سے لمبا دن 22 جون ہوتا ہے۔

سب سے پہلی کرکٹ ٹسٹ سنچری چارلس بنیز مین نے بنائی۔

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

نہ طاقت ہے اشارے کی نہ کہنے کی نہ سننے کی
کہوں کیا میں سنوں کیا میں بتاؤں کیا بیاں اپنا

—عبدالحی تاباں

ارض و سما، کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

—خواجہ میر درد

کعبے سے دیر، دیر سے کعبے کو جا چکے
کیا کیا نہ اس دوراہے میں ہم پھیر کھا چکے

—خواجہ حیدر علی آتش

کہیں آرام سے دو دن فلک رہنے نہیں دیتا
ہمیشہ اک نہ اک سر پر مصیبت آ ہی جاتی ہے

—ظہیر دہلوی

پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا
بیکار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا

—امیر مینائی

دنیا میں اگر ڈھونڈیئے تو کیا نہیں ملتا
سب ملتے ہیں اک چاہنے والا نہیں ملتا

—بیخود دہلوی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

—ناصر کاظمی

بے چہرگی کی بھیڑ میں گم ہے ہر اک وجود
آئینہ پوچھتا ہے کہاں خد و خال ہے

—ملک زادہ منظور احمد

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا

—بشیر بدر

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

—محسن نقوی

راہ کے پتھر سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں منزلیں
راستے آواز دیتے ہیں سفر جاری رکھو

—راحت اندوری

گھٹائیں اٹھتی ہیں برسات ہونے لگتی ہے
جب آنکھ بھر کے فلک کو کسان دیکھتا ہے

—شکیل اعظمی

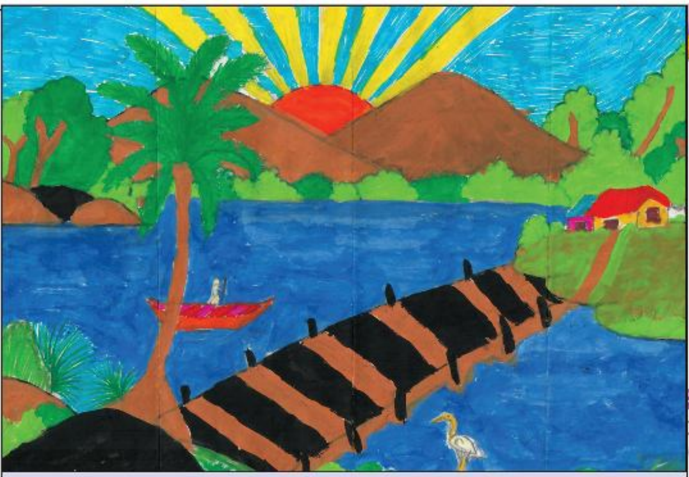

سیدہ رابعہ بصری، درجہ نہم، اکرام رسول ہائی اسکول، اڈیشا

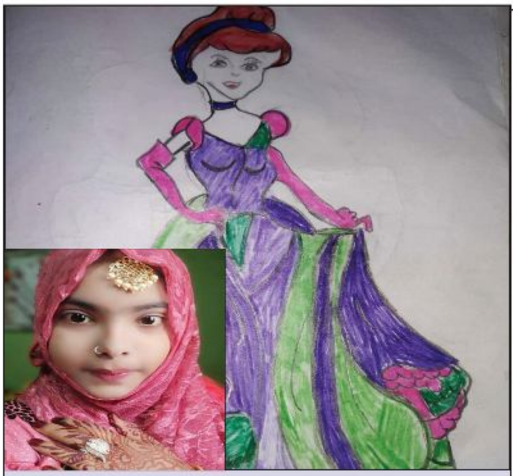

اَدینا تقدیس، درجہ نہم، جامعہ للبنات جے نور، ضلع عادل آباد، تلنگانہ

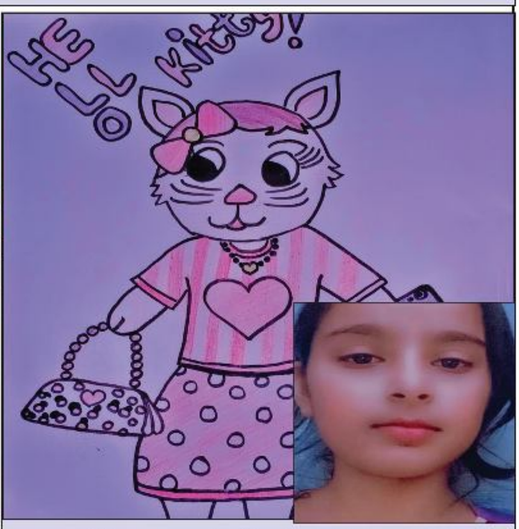
HELLO KITTY!

الفیہ بنت عظمت علی، فیروز آباد، اتر پردیش

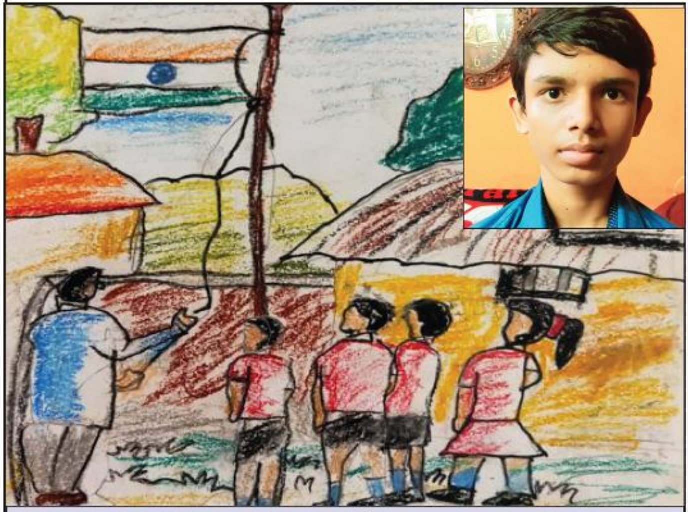

تحمید منقاد، سینٹ زیورس انسٹی ٹیوشن، کولکاتا، مغربی بنگال

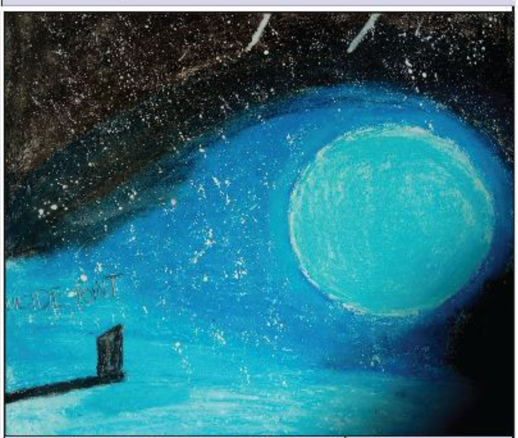

عرشین فردوس، درجہ ششم
ایم ایم سی اردو پرائمری اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

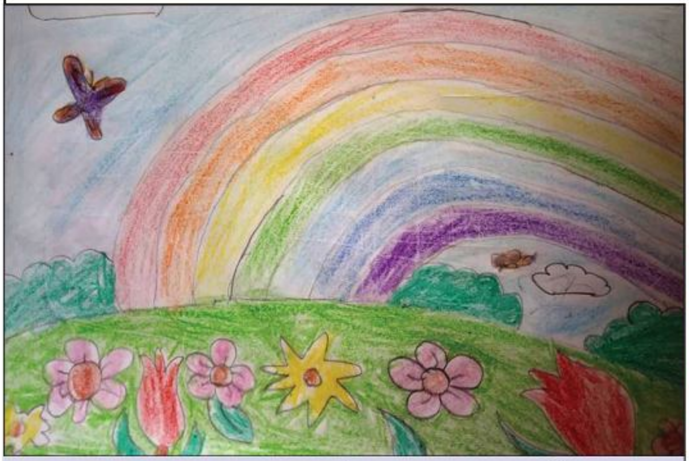

آمنہ شیخ، درجہ اوّل، کوہِ نور انٹرنیشنل اسکول، کرلا، ممبئی، مہاراشٹر

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ

اردو دنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

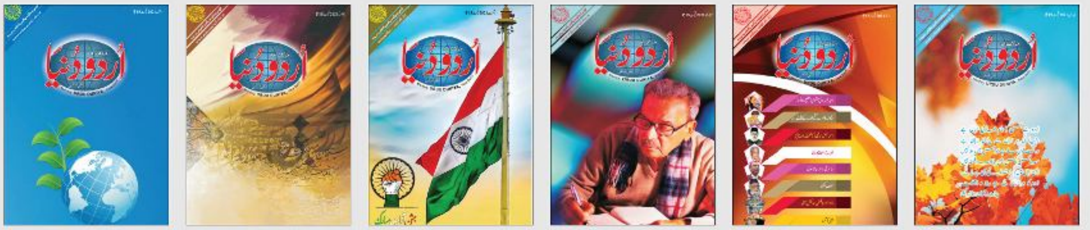

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی

فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

بنام NCPUL اکاؤنٹ نمبر: A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کریں۔

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

شاخ : 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002 فون: 24415194 - 040

बच्चों की दुनिया मासिक, अक्टूबर 2021, वर्ष 9, अंक 10
BACHON KI DUNIYA Monthly, October 2021 Vol. 10, Issue: 09
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/09/2021
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

صفحات: 16، قیمت: 20 روپے

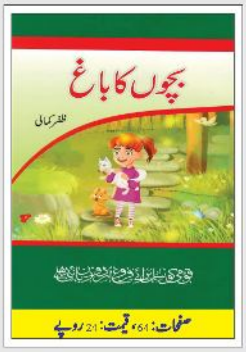
بچوں کا باغ
ظفر کمالی
صفحات: 64، قیمت: 21 روپے

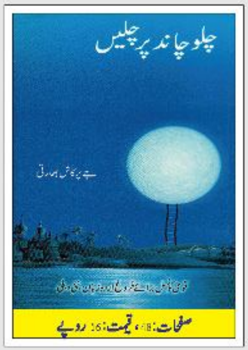
چلو چاند پر چلیں
صفحات: 48، قیمت: 16 روپے

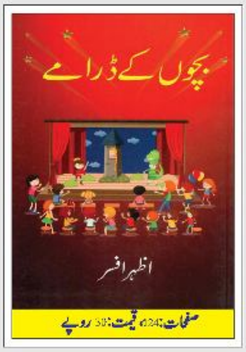
بچوں کے ڈرامے
اظہر افسر
صفحات: 124، قیمت: 30 روپے

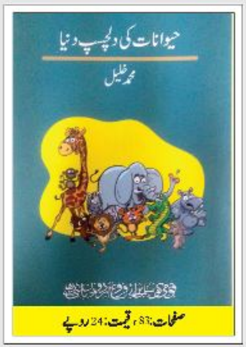
حیوانات کی دلچسپ دنیا
محمد خلیل
صفحات: 83، قیمت: 24 روپے

لمبو اور موٹو
صفحات: 112، قیمت: 20 روپے

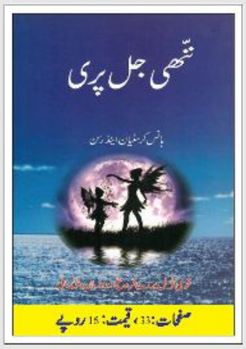

صفحات: 33، قیمت: 16 روپے

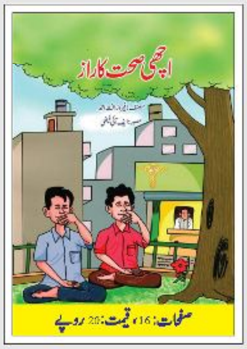
اچھی صحت کا راز
صفحات: 16، قیمت: 20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6